رسالہ

فن شاعری

جس میں شاعری پر باعتبار نئے اور
پرانے خیالات کے بحث کی گئی ہے

مرتبہ مرزا سلطان احمد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
بندولبست میانوالی
پنجاب

باہتمام خاکسار سعید احمد

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۹۰۰ء

قیمت فی جلد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فہرست مضامین

انڈکس

اسماے شعراء ماضی وحال جن کا ذکر اس کتاب میں ہوا ہے

نذرِ اکبر

ہدیۂ ما تنگدستان را بچشمِ کم مبین
از مروّت بر سرِ خوانِ تہی سرپوش باش

جیسے کہ ہر جزو کے واسطے کوئی نہ کوئی کُل اور ہر کُل کے لئے کوئی نہ کوئی جزو لازمی ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہر جزو اصغر کسی نہ کسی ظلِ اکبر اور ہر اکبر کسی نہ کسی وجود اصغر سے نسبت رکھتا ہے۔

گو ذرّہ بھی بہ ظلِ آفتاب ایک قسم کی چمک دمک رکھتا ہے لیکن اس کی ہستی کا پورا نشوونما آفتاب اکبر یا دیگر انوار یا اشعہ منعکسہ سے زیادہ تر وابستہ ہوتا ہے۔ ذرّہ کی ذاتی چمک دمک آفتابی کرنوں یا دیگر شعاعوں کے بغیر کچھ بھی وزن اور ہستی نہیں رکھتی۔

دنیا کی اکثر ہستیاں نسبتی رشتہ سے ہی نشوونما پاتی اور فروغ حاصل کرتی ہیں۔ برگِ گل یا خارِ گل باوجود اس کس مپرسی کے زیبِ منبر ہوتے اور ان محترم ہاتھوں تک پہنچتے ہیں جن تک انکی رسائی مشکل کیا ناممکن تھی۔

یہ نسبتی قانون ہمیں بھی مجبور کرتا اور شوق دلاتا ہے کہ ہم بھی اُس نسبت سے
نسبتاً مستفید اور مستفیض ہونے کے لئے یہ خیال اس نقش تعظیم اور سکۂ احترام کے
جو ہمارے دلمیں جناب خان بہادر مولانا مولوی سیّد محمد اکبر حسین صاحب
الہ آبادی کی جادو اثر نظموں اور جادو شمار رباعیات کا بزور اثر حک گیا بیٹھ چکا ہے
کوئی راہ تسلیم یا کوئی نسبت لطیف نکالیں۔

ایسے واجب التعظیم بزرگ اور گداز دل فرد قوم تک پہونچنے کے لئے ہمیں
اور تو کوئی راہ یا نسبت حاصل نہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ہاں اس ہدیۂ احقر مزقلم کی نسبت سے شرف اندوز ہو کر یہ
نہایت خلوص دل اور محبت غائبانہ سے پیش اور منسوب کرنے
کی جرأت کرتے ہیں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

پیش کنندہ
سلطان احمد
میانوالی (پنجاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فن شاعری

—:(❀):—

ہم جب کوئی اچھا شعر سنتے ہیں یا کوئی اچھی نظم نظر سے گذرتی ہے تو دل میں آتا ہی ہے کہ کاش ہم بھی شاعر ہوتے یا ہماری طبیعت میں بھی شعر کہنے کا مذاق ہوتا اور ہمارے نام سے بھی کوئی نظم منسوب کیجاتی۔

پڑھے لکھے کیا۔ ان پڑھ لوگوں کے دلوں میں بھی اس قسم کے خیالات نشو ونما

ل؎ ہر ملک یا ہر قوم میں ان پڑھ شاعر بھی پائے جاتے ہیں اور بعض اُن میں سے اچھے اچھے مضامین میں شعر کہہ لیتے ہیں گو قاعدہ عروض پر ایسے اشعار ٹھیک ٹھیک منطبق نہوں مگر موزونیت اور کشش اُن میں بھی ہوتی ہے۔ اردو۔ ہندی۔ فارسی۔ عربی۔ اور پنجابی میں ان پڑھ شاعر ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں گو ایسے لوگ باقاعدہ معلومات نہیں رکھتے اور عرفی اعتبارات سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خواندہ ہیں مگر در اصل انہیں تجربہ۔ قیاس مشاہدہ۔ اور جذباتی طریق سے چند ایسے معلومات ہوتے ہیں جنکی بنیاد پر خیالات کی بندش اور موزونیت کر سکتے ہیں۔ ۱۲

پائی رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض ان پڑھ بھی شاعر ہوتے یا شعر کہتے ہیں یہ شوق اور یہ ذوق تو اکثر طبائع میں پایا جاتا ہے کہ مذاق شاعری بہت اچھا مذاق ہے لیکن ایسے لوگ یا ایسی طبعیتیں نسبتاً کم ہونگی جو یہ سوچتی یا یہ خیال کرتی ہوں کہ شاعری کی حقیقت یا ماہیت کیا ہے۔

شاعری کی حقیقت یا ماہیت کی تحقیقات اور انکشاف میں مندرجہ ذیل گروہ توجہ کرتے یا حصہ لیتے ہیں۔

" شاعر

" ادیب

" منطقی

" فلاسفر

پہلے[1] گروہ میں وہی لوگ داخل ہیں جو خود شاعر ہیں یا جو اس قسم کا مذاق تحقیق رکھتے ہیں یا جنہیں فلسفی مذاق بھی حاصل ہے۔ دوسرے گروہ کے معلومات میں چونکہ فن شاعری بھی داخل ہے اسواسطے انہیں بھی ایسی تحقیقات کا شوق رہا ہے۔

علی ہذا القیاس تیسرے اور چوتھے گروہ کا حال ہے گو ان گروہوں کی تحقیقات علی سبیل التذکرہ ہی ہو پر بھی یہ کہا جاویگا کہ یہ گروہ ایسی تحقیقات میں گونہ دلچسپی[1] لیتا رہا ہے۔

---

[1] منطق اور فلسفہ کی کتابوں میں بالخصوص شاعری یا مذاق شاعری کی نسبت بحثیں کی جاتی ہیں گو تعریف شاعری میں ان لوگوں کا شاعروں سے گونہ اختلاف ہو مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس فن کی نسبت ان لوگوں نے توجہ نہیں کی ہے یا یہ کہ یہ فن ان لوگوں کی نگاہوں میں محقر رہا ہے۔ ۱۲

عربی۔ فارسی۔ ہندی میں فن شاعری اور جذبات شاعری کی نسبت مستقل طور پر کتابوں کا کافی ذخیرہ نہیں پایا جاتا۔ ضمناً بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اگر ضمنی اقوال جمع کئے جاویں تو البتہ ایک ذخیرہ بن سکتا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان زبانوں میں بھی محققین کی کمی نہیں رہی ہے۔ ہاں یہ ضرور کہینگے کہ ادبیات کی نسبت ان محققوں نے سوائے چند کے کوئی جامع تصنیف یا تالیف نہیں چھوڑی۔[1] گو ایک فریق کا مذاق علمی دوسرے گروہ کے مذاق علمی سے کسیقدر بعد اور امتیاز رکھتا ہے مگر پھر بھی ان سب گروہوں کے وسائل تحقیقات یا[2] مواد تحقیقات میں کچھ نہ کچھ نسبت پائی جاتی ہے۔ شاعری کی ماہیت یا حقیقت کے متعلق پہلا سوال یہ ہوگا کہ:۔

,, فن[3] شاعری سے مراد کیا ہی یا شاعری کی تعریف کیا ہے ہر ملک یا ہر قوم کی

---

[1] یہ طریق عمل ہماری علمی ذخائر کیواسطے ایک نقص ثابت ہوا ہے ہندوؤں اور مسلمانوں نے فلسفہ میں بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ تحقیقات کی مگر اقسام فلسفہ پر کچھ نہ لکھا یا یہ کہ مستقل طور پر کچھ نہ لکھا علی سبیل التذکرہ کہیں کہیں کچھ ایسے طریق سے لکھا جو ایک مستقل تحقیقات کا درجہ نہ حاصل کر سکا۔ یہی ایک نقص تھا۔ جنے ایشیائی قوموں میں سائنس اور فلسفہ کی کافی ترقی نہونے دی ۔ ۱۲

[2] جو بحثیں یا جو تحقیقاتیں طبعی مواد سے زیادہ تر تعلق رکھتی ہیں ان میں باوجود بعد مذاق اور اختلاف کی کچھ نہ کچھ نسبت پائی جاتی ہی یا جبکہ مفہوم میں نسبتاً ایک میلان مشترکہ موجود ہوتا ہے تو مواد تحقیقاتی میں بھی ایک یکسانیت محسوس ہوتی ہی اسمیں شبہ نہیں کہ طبعی مستثنیات میں بھی گونہ تضاد اور اختلاف ہی مگر اس تضاد اور اختلاف سے یہ نہیں نتیجہ نکلتا کہ اُن میں کچھ نہ کچھ نسبت اور اشتراک بھی نہ پایا جاے اثر قبول کرنے اور اثر ڈالنے کا جذبہ ہر شخص میں موجود ہی گو اسکی مقدار کیسی ہی مختلف فیہ کیوں نہو۔

[3] جسطرح شاعری کی تعریفیں زیر بحث چلی آتی ہیں اسی طرح یہ مسئلہ بھی زیر بحث چلا آتا ہے کہ آیا:۔

(۱) شاعری ایک فن ہی یا (۲) ایک علم ہے۔

ہر چہار فرقہ ہائے متذکرہ بالا نے اپنے اپنے جذبات و رجحانات کے مطابق شاعری کی مختلف الفاظ میں تعریفیں کی ہیں گو اُن سب حدود یا تعاریف میں گونہ مشارکت اور متجانست بھی پائی جاتی ہے۔ مگر یہ کہنا ہی پڑیگا کہ ان میں اختلاف بھی ہے اگرچہ ہر ایک گروہ نے بہت سی اور مختلف تعریفیں بھی کی ہیں مگر ہم اُن میں سے خلاصتاً چند لکھتے ہیں۔

" کلام موزوں ہو اور متکلم نے بارادہ موزوں کہا ہو۔

" کلام بہ تشبیہات مناسبہ اور استدلال موزوں ہو۔

" مقدمات موہومہ کا ایک اچھی ترتیب میں لانا اچھی چیز، اچھے سماں کا بدنما یا بُری چیز اور بُرے سماں کا ایک خاص اور موثر طریقے میں خوشنما ثابت کرنا شاعری ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ اکثر اسکے معترف ہیں کہ شاعری ایک فن ہے اور بعض کا یہ خیال ہے کہ شاعری ایک علم ہے۔ اس بحث میں مقدم یہ دیکھنا ہے کہ فن کی تعریف کیا ہے اور علم کسے کہتے ہیں اور شاعری کس میں آسکتی ہے علم سے مراد محض جاننا ہے جو چیز ہم جانتے ہیں یا جس بات سے ہم مطلق واقف ہوتے ہیں وہ ایک علم ہے محض مطلق یا علم کیساتھ حکم یا ترتیب اور قطع برید کی ضرورت نہیں ہوتی اور انکے نہونے سے علم کی نفی نہیں ہوسکتی یا یہ کہ ہماری ہر ایک واقفیت اور ہمارا جاننا جو بلا تصرف ہو وہ ایک محض علم ہے۔ ۱۲

" معلومات کا ایک خاص شکل یا ایک خاص پیرایہ میں منتقل کرنا اور انمیں ایک اختراعی اور ایجادی روح پھونکنا ایک فن ہے۔

" فن کیلئے جو نیچر نہو یا نیچر کے خلاف ہو۔

" جب انسان نیچر میں دست اندازی کرتا اور مواد نیچر میں نئے نئے جذبات پیدا کرتا اور خود موثر ہوتا اور دوسروں پر اثر ڈالتا ہے تو وہ ایک فن ہے۔

"محبت و غصب الفت اور کراہت کی قوتوں کا بہ طریقہ موزوں اشتعال میں لانا ایک شاعری ہے۔

"مخفی نسبتوں اور مؤثر رشتوں کا دریافت کرنا اور پھر انکا ایک دلچسپ یا مؤثر طریقہ میں اظہار شاعری ہے۔

"جذبات اور احساسات عادیہ کا ایک خاص طریق سے استدلال اور استشہاد شاعری ہے۔

"جس کلام سے جذبات انسانی برانگیختہ ہوں اور انسان اپنا آپ مخاطب ہو وہ شاعری ہے۔

"شاعری ایک مصوری یا ایک نقالی ہے۔

"شاعری ایک صداقت اور ایک اچھائی ہے۔

"قوت متخیلہ کا بذریعہ الفاظ و استعارات خاصہ جوش میں لانا ایک شاعری ہے"

جتنی تعریفیں اوپر لکھی ہیں ہماری رائے میں ان میں سے کوئی بھی جامع مانع

بقیہ حاشیہ "مشاہدات۔ محسوسات۔ تخیلات۔ توہمات کی کتر بونت اور اختراعی صورتیں ایک فن ہے۔

"معلومات میں تصرف کرنا اور دست انداز ہونا ایک فن ہے۔

"اصول یا کلیات سے جذبات کی طرف جانا اور اُن سے کام لینا ایک فن ہے۔

"نیچر یا منظر نیچر کے خلاف ایک اور حالت کا پیدا کرنا ایک فن ہے۔

"قدرتی منظر میں با مذاق تصرف کرنا اور خوبصورتی سے اُسکا اظہار ایک فن ہے۔

"اُن نسبتوں کا دریافت کرنا جو مواد قدرت میں منتشر ہیں اور اُن کا باہمی تعلق پیدا کر کے دکھانا ایک فن ہے۔

تعریف نہیں ہے اکثروں نے کہا ہے کہ ان میں سے بعض بعض تعریفیں جامع مانع ہیں مگر ہم اسسے اتفاق نہیں کرتے ہر ایک تعریف میں ایک خامی اور عدم جامعیت پائی جاتی ہے ہاں یہ کہا جاویگا کہ اُن میں سے بعض تعریفیں مقابلتاً سادہ اور ذرا عام فہم ہیں اور اُنکے دائرہ میں وہ تمام مرکوزات اور مزعومات آجاتے ہیں جو دوسری تعریفوں میں مزعوم ہیں اکثر کلیات کی تعریفیں معرفین کے مذاق کے زیادہ ماتحت ہوتی ہیں۔ ہر معرف اپنے مذاق کے مطابق تعریف کرتا ہے جو جذبات ہر معرف پر غالب ہوتے ہیں اُنکا تعریفی الفاظ میں زیادہ تر زور یا حصہ ہوتا ہے۔

بقیہ حاشیہ انسانی جذبات محسوسات ضروریات کی تحدید ترتیب توضیع ایک فن ہے۔

" نئی شکلیں نئی حالتیں پیدا کرنا جو باعتبار تاثرات ایک خصوصیت رکھتی ہوں ایک فن ہے۔

ان دونوں تعاریف کے مقابلہ میں اب یہ دیکھنا ہی کہ شاعری کس مد میں آتی ہے ہم اسبات کے معترف ہیں کہ شاعری میں معلومات ہوتے ہیں لیکن محض معلومات ہی نہیں ہوتی اُنکے ساتھہ تصرفات بھی لازمی ہیں اسواسطے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاعری علم نہیں ہے بلکہ ایک فن ہے۔ یہ اعتراض کیا جاویگا کہ نثر یا کلام ناموزوں میں بھی محض علم نہیں ہوتا بلکہ تصرفات بھی ہوتے ہیں اسواسطے نہیں بھی فن کہا جائیگا اول تو ہم یہ کہیں گے کہ ان صورتوں میں وہ تصرفات یا ایسے تصرفات نہیں ہوتی جیسے شاعری میں ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ دراصل نثر یا کلام ناموزوں بھی ایک فن ہے۔ اگر ہم شاعری کو اعتبار سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ نظم ایک فن ہے تو ایسے ہی ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نثر بھی ایک فن ہے۔

ہم بالخصوص فن شاعری کیوں کہتے ہیں اسلئے کہ اسمیں بمقابلہ نثر کے بہت ہی کثر تبویت اور موزونیت ہوتی ہے جیسے نثر کے لئے متانت سلاست ضروری اور لازمی ہے ایسے ہی شاعری کیواسطے موزونیت۔ تاثیر۔ دلچسپی۔ تحدید تخیل ترتیب جذبات کی سخت ضرورت ہے جسطرح ایک مشین کا پرزہ اپنی جگہ چھوڑ کر مشین کی نقص کا باعث ہوجاتا ہے اسیطرح ایک شعر میں ناموزونیت کا پایا جانا شعر کی ہستی کھو دیتا ہے۔ ۱۲

مثلاً ایک شاعر منظر نیچر کے مشاہدے کا بالخصوص عادی ہے وہ شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کریگا۔

" قدرتی مناظر کا دلچسپ اور مؤثر احضار اور موقت اظہار شاعری ہے۔

" جو شاعر اندرونی جذبات کے مطالعہ کا زیادہ تر مشتاق ہے وہ یوں کہیگا۔

" باطنی جذبات کا مکمل اظہار شاعری ہے بہت تھوڑی ایسی تعریفیں ہیں جو صحیح معانی میں جامع مانع اور بیرون از قیود مذاق ہوتی ہیں۔

یا یوں کہئے کہ جو قضایا یا جو امور زیادہ تر مذاق سے مربوط ہیں اُنکی تعریفیں اور حدود ہمیشہ اسواسطے مختلف ہوتی ہیں کہ مذاق مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے حسن اور خوب صورتی کی تعریف جامع مانع نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حقیقتاً حسن یا خوبصورتی سے کیا مراد ہے ایسے ہی شاعری کی تعریف بھی ایک ہی مفہوم کے تابع نہیں کیجا سکتی۔

اگر ہم جامع مانع تعریف نہیں کر سکتے یا چند مختلف تعاریف میں سے یہ انتخاب نہیں کر سکتے کہ اُن میں سے کونسی تعریف جامع مانع ہے تو اس سے کوئی نقص نہیں پیدا ہو سکتا کیونکہ جو شخص اپنے مذاق اپنے جذبات کے مطابق ایک تعریف صحیح یا جامع مانع سمجھتا ہے اسکے مقابلہ میں وہی تعریف شاعری ترقی یا شاعری کمال کے واسطے فی احد الجہت جامع یا کافی ہے۔

ہمنے یہ بھی کہا تھا کہ باوجود اختلافات کے ان سب تعاریف میں ایک نسبت پائی جاتی ہے جو تعریفیں ہمنے اوپر لکھی ہیں وہ اس کی شاہد ہیں کہ انمیں باوجود اختلافات کے کہانتک ایسی نسبت موجود ہے۔

ان سب تعاریف سے مندرجہ ذیل امور پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

"شاعری ایک نیچرل جذبہ ہے۔

"شاعری ایک خاص مذاق کا نام ہے۔

"شاعری احساسات اندرونی یا بیرونی کا ایک نقشہ ہے۔

"شاعری جذبات یا احساسات کے مؤثر۔ دلچسپ اور نازک تصرفات کا منظر یا نمونہ ہے۔

"شاعری تخیلات کا منظر نمایاں اور دل کش نسبتوں میں پیش کرتی ہے۔

یہ امور ہمیں اُن سوالات کی طرف لیجاتے ہیں۔

"شاعری ہماری طبیعت اور ہمارے جذباتِ اندرونی اور بیرونی سے کہاں تک متعلق ہو۔

"یہ مذاق معرضِ عمل یا معرض اظہار میں کیونکر لایا گیا یا کیونکر لایا جاتا ہے۔

انسان دو قسم کے جذبات سے متاثر ہے۔

"جذباتِ اندرونی

"جذبات بیرونی

یہ جذبات مختلف اقسام اور مختلف حیثیات کے ہوتے ہیں اور ان سب کی طاقت بھی مختلف ہوتی ہے۔ کسی کی طبیعت میں محض معمولی جذبات پائے جاتے ہیں اور معمولی جذبات سے ہی وہ متاثر ہوتی ہے اور کسی کی طبیعت میں ہر دو قسم کے جذبات اعلیٰ معیار پر ہوتے ہیں۔

شاعری کی جسقدر تعریفیں اوپر کی گئی ہیں اُن سب میں جذبات کی روح موجود ہے یا یہ کہ اُن تعاریف کے اعتبار سے شاعری صرف چند جذبات یا ایک قسم کے

جذبات کا ہی نام ہے ان سب اعتبارات سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ۔

انسان کی طبیعت میں شاعری کا مذاق من جہت احد الشاعر پایا جاتا ہے یا ایسے جذبات ہر انسان کے لئے ہمیشہ شاعر بننے کا ذریعہ لازمی ہو سکتے ہیں یعنی ہر طبیعت میں ایک ایسا خاصہ یا ایسا مذاق موجود مانا جاوے کہ اُس اعتبار سے اُسے شاعر کہا جاسکے اگر یہ اصول درست ہو تو کہنا پڑیگا کہ ہر شخص قدرتاً یا طبعًا یا مولودًا شاعر ہے حالانکہ یہ امر بدیہیات کے خلاف ہے باوجود ان چند در چند تحریکات اور جذبات کے ہر شخص شاعر نہیں ہے یہ ممکن ہے کہ ہر شخص شاعر بن سکے لیکن یہ ممکن نہیں کہ طبعًا ہر شخص محض باعتبار جذبات شاعر ہو۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ طبیعت انسانی میں مذاقِ شاعری یا جذباتِ شاعری موجود اور مودَع ہیں تو اُسکا مطلب یہ نہیں لیا جا سکتا کہ۔

"ہر شخص طبعًا شاعر ہے۔

بلکہ یہ کہ ہر شخص کی طبیعت میں علی قدر مراتب وہ مذاق اور وہ جذبات پائے جاتے ہیں جو ایک موزونیت یا تاثر اور دلچسپی رکھتے ہیں اور جنسے شاعری کی بنا درکھی جاسکتی ہے یا جو شاعری کے اولیات اور مبادیات سے تعبیر کئے جا سکتے ہیں۔ ہر شخص کی طبیعت میں مطلق علم حاصل کرنیکا مادہ تو موجود ہے لیکن ہر شخص کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ عرفی معنوں میں عالم بھی ہے ہاں یہ کہا جاویگا کہ ہر شخص علم حاصل کرسکتا ہے۔ جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ۔

"شاعر بنانے سے نہیں بنتا ہے بلکہ طبعًا پیدا ہوتا ہے"

تو اسکا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر شخص یا بعض اشخاص شاعر ہی پیدا ہوتے

ہیں بلکہ یہ کہ ایسے لوگونکی طبائع میں وہ جذبات اور وہ تحریکات یا وہ احساسات نسبتاً زیادہ دلکش زیادہ موثر زیادہ جامع زیادہ نمایاں ہوتے ہیں جن کی بدولت کوئی شخص ایک اچھا اور نامور شاعر بن سکتا ہے شاعری پر ہی کچھہ موقوف نہیں ہر شاخ علمی کا مذاق ہر شخص کی طبیعت میں ایک دوسرے سے کم و بیش پایا جاتا ہے۔ اگر ایک طبیعت میں تاریخ کا مذاق ہے تو دوسری منطق اور فلسفہ میں مزاولت رکھتی ہے اگر ایک شاعری پر فدا ہے تو دوسری موسیقی کی شیدائی۔ دس پانچ خورد سال بچّے ایک جگہ بٹھا کر دیکھو کوئی کسی شغل میں ہوتا ہے اور کوئی کسی میں بعض چھوٹے بچّے تصویر بنانے اور نقشہ کشی میں اپنی سمجھہ کے موافق مشّاق ہوتے ہیں بعض کہانیاں سننے میں ہی وقت گذار دیتے ہیں بعض روڑے کنکریاں گننے میں ہی رہتے ہیں بعض چپ چاپ تماشا دیکھتے ہیں۔

یہ سب حالتیں ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ ہر ایک کا مذاق جداگانہ ہے یا ہر طبیعت ایک جدا اور نرالی شان[1] رکھتی ہے۔ اگر انسان کی تعلیم و تربیت مذاق اور جذبات کے مطابق ہو اور اُنپر کوئی مجبوری عاید نہ کیجاوے تو وہ انہیں مقاصد اور انہیں مطالب میں فوقیت اور شہرت حاصل کرے یا اُنہیں شاخوں میں طبیعتیں زیادہ تر درخشاں نمایاں نکلیں جو اُنکے مطابق ہیں۔

---

[1] مذاق جداگانہ سے یہ مراد نہیں کہ ہر شخص یا ہر طبیعت میں صرف ایک ہی مذاق ہوتا ہے یا یہ کہ سوائے ایک مذاق کے اور کسی مذاق یا کسی جذبہ سے اُسکو نسبت ہی نہیں ہوتی جب کبھی کسی کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اسکا مذاق جداگانہ ہے تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے۔ کہ اُسے ایک شق مذاق میں خاص نسبت یا خاص امتیاز حاصل ہو اور وہ اس میں مبلغ کثیر رکھتا ہے۔

جس شخص کی طبیعت میں وہ مواد وہ تحریکات وہ جذبات زیادہ ہیں جو شاعری کا پیش خیمہ یا بنیاد ہیں وہی شخص ایک اچھا شاعر بن سکتا ہے اور اسی کی نسبت یہ کہنا درست ہے کہ وہ ایک قدرتی شاعر ہے یا اس کی طبیعت میں قدرتاً شاعری کا مذاق ہے جو شخص جذبات نقاشی اور مصوری یا موسیقی نسبتاً زیادہ رکھتا ہے وہی اُن فنون میں گوے سبقت لیجانے اور کمال حاصل کرنیکا مستحق ہے ایسے لوگ چاہے اور علوم اور فنون میں بھی گونہ ملکہ رکھتے ہوں مگر بالخصوص انہیں فنون میں ملکہ فاضلہ ہوگا۔ جن میں ایسے جذبات ایک خاص مقدار میں ہونگے۔ جو لوگ شاعری کے جذبات اور تحریکات یا مواد سے کام لیتے ہیں یا یوں سہی کہ جن کی شاعری آمد کی نہیں بلکہ آورد کے تابع ہے وہ اکتسابی شاعروں کی جماعت میں شمار ہوتے ہیں نہ اس جماعت میں جنہیں وہبی شاعر کہا جاتا ہے۔ یا جنہیں وہبی ملکہ شاعری حاصل ہے۔ ہر شخص کی طبیعت میں عام اس سے کہ شاعر ہو یا نہو موزونیت۔ مناسبت کا مذاق اور ولولہ پایا جاتا ہے۔ جو لوگ شاعر نہیں ہیں یا جنہیں شاعری سے کوئی مس اور نسبت نہیں اُنکی طبیعت میں بھی موزونیت کا مادہ موجود ہے۔ جیسے انسان ہمیشہ ستھری صاف۔ سنجیدہ۔ خوش اسلوب۔ خوش آیند منظر دیکھکر فرحاں و شاداں ہوتا ہے

بقیہ حاشیہ۔ اگر ایک اعلیٰ مذاق یا ایک مختص شاخ کے سوا کسی شخص کی طبیعت میں اور کوئی خاصہ یا مذاق نہیں ہے تو اسکا نتیجہ نہیں ہے نا چاہیے کہ کوئی شخص دوسرے خواص یا امتیازات میں بھی حصہ نہ رکھتا ہو۔

ایک شخص شاعر بھی ہے اور مصور یا موسیقی داں بھی منطقی بھی ہے اور نحوی یا صرفی بھی۔ ہر طبیعت مختلف مذاق رکھتی ہے کسی میں اعلیٰ پیمانہ پر ہے اور کسی میں کم۔ ایک اعلیٰ ہیئت داں گرامر بھی جانتا ہے مگر جب اسکا ذکر آتا ہے تو اُسے ہیئت داں کہتے ہیں صرفی نحوی نہیں کہتے۔ حالانکہ وہ صرف نحو بھی جانتا ہے۔

اور اسکے دل و دماغ میں ایک قسم کی تازگی آ جاتی ہے ایسے ہی خوش آیند خوش بندش خوش ترکیب خوش معانی خوش الفاظ فقرات اور موزوں کلمات سے ایک سچی خوشی سچا جوش پیدا ہوتا اور جذبات میں ایک مؤثر تحریک پائی جاتی ہے۔

بڑی بڑی تقریریں اور بڑے بڑے منطقی فقرات وہ اثر نہیں کرتے جو ایک سادہ موزوں فقرہ کر جاتا ہے بڑی بڑی تحریریں اور بڑے بڑے مباحثات وہ کشش وہ سوز نہیں رکھتے جو چند درد آمیز کلموں اور دلسوز جملوں میں ہوتا ہے گو ہر تحریر اور ہر تقریر میں کچھ نہ کچھ بری بھلی جذب و کشش مودع ہوتی ہے کیونکہ صرف موزونیت یا ناموزونیت پر ہی اس کا انحصار نہیں ہے۔ لیکن فقرات کی موزونیت اور مناسبت میں جو اثر اور جو جذب ہوتا ہے وہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

سارے کلام خواہ نثر ہوں اور خواہ نظم ہر وقت یکساں مؤثر نہیں ہوتے۔ ان میں سے چند فقرات ہی دلکش اور موثر نکلتے ہیں اور وہی سارے کلام یا ساری

لہ اسکے ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑیگا کہ جیسے اثر موثر فقرات پر موقوف ہے ایسے ہی طبائع اور متاثرات کی تابع بھی ہے۔ اثر ہمیشہ باقتضائے مذاق اور جذبات طبائع کے ہوتا ہے جو جملے اور جو فقرے مردوں پر بہ مشکل اثر پذیر ہوتے ہیں وہ عورتوں پر جادو کی طرح چل جاتے ہیں اور جو فقرات عورتوں پر کم موثر ہوتی ہیں مرد ان سے بآسانی متاثر ہو جاتے ہیں لیکن سخت دل بڑے بڑے کٹھن واقعات سے بھی متاثر نہیں ہوتے ایک شخص تصویر سے ہی اثر پذیر ہوتا اور مرجھا جاتا ہے لیکن ایک دوسرا شخص اپنی آنکھوں سے اصل سماں یا اصل واقعہ بھی دیکھکر اپنے دل میں کوئی انقلاب نہیں پاتا ہے بعض لوگ اسے کمزوری یا استقامت دل سے تعبیر کرتے ہیں۔ میرے خیال میں کمزوری یا استقامت دل ایک اور حالت ہے اور دردمندی یا سختی دل کچھ اور سماں اثر کمزوروں اور مستقیم القلب دونوں پر ہوتا ہے۔ ۱۲

نظم کی قبولیت اور شہرت کا باعث ہوجاتے ہیں۔ شاعری کا مذاق چونکہ ایک طبعی مذاق ہے اسواسطے وہ مندرجۂ ذیل صورتوں میں معرضِ عمل میں آتا رہتا ہے۔

(الف) بلاتخصیص۔

(ب) بالتخصیص

باعتبار پہلی شق کے ہر شخص عام طور پر موزوں صور اور دلکش امور یا تحریکات کے انتخاب اور استقبال کی جانب مائل یا متوجہ رہتا ہے۔ ہر وقت طبیعت میں ایک ولولہ اور ایک اُمنگ رہتی ہے کہ دلکش سماں اور موزوں صور پیش نظر رہیں خود بھی اُنسے متاثر ہوں اور دوسروں پر بھی اثر ڈالیں۔ بہت کم انسان ایسے ہونگے جو اس خاصہ سے معرّا یا خالی ہوں۔ اس خواہش یا ولولے میں ایک عمومیت ہوتی ہے اور ہر شخص کے اندر یہ عمومیت پائی جاتی ہے۔ ایسی عمومیت کی حالت میں کوئی خاص نام نہیں دیا جاتا اور نہ کسی خصوصیت سے امتیاز کیا جاتا ہے۔ گو مذاق طبیعت میں موجود ہوتا ہے اور اس سے کچھ نہ کچھ کام بھی لیا جاتا ہے مگر کوئی تشخیص نہیں ہوتی یہ ایک عام حالت ہے جب اس عام حالت سے کسی ایک شق میں خصوصیت ہوتی ہے تو پھر ایک خاص نام یا خاص امتیاز سے یہ مذاق موسوم کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت میں ایسے مذاق کے لئے ایک خاص نام تجویز کیا جاتا ہے وہ خصوصیت جو اُسے حاصل ہوتی ہے خود بخود اپنے تئیں اوروں سے متمیز کرتی ہے۔ جن لوگوں کی طبیعتیں بالخصوص شاعری مذاق کی جانب متوجہ ہوتی ہیں وہ ایک خصوصیت سے عرصہ شاعری میں نکل آتی ہیں۔ اور دنیا پر ثابت ہوجاتا ہے کہ ان طبائع میں شاعری کا مذاق کہانتک مودع ہے۔

شاعری پہلے پہل ایسے ہی لوگوں یا ایسے ہی کامل اور فائق مذاق سے شروع ہوئی ہے اور یہیں سے اُس کی بنیاد پڑی ہے - اگرچہ ہر شخص کی طبیعت میں موزونیت اور دلکش سماں کا مذاق مودَع تھا مگر جن طبائع میں نسبتاً وافر اور مکمل تھا وہی طبیعتیں میدان امتحان میں آئیں اور اُنہیں کے سر سہرا بندھا -

جسنے یا جنہوں نے شاعری کی ابتدا کی اور اس شریف فن کی بنیاد ڈالی وہ چند ہی تھے اور اب بھی پوچھو تو باعتبار اعلیٰ اور صادق شاعری کے چند ہی بہتوں میں سے نکلتے ہیں گو ساری دنیا شاعر ہوجاے اور شاعری کا دعوی کرے مگر باعتبار اصلیت بہتوں میں سے بہت تھوڑے صحیح معنوں میں شاعری کا مذاق رکھتے ہیں -

شاعری کا شروع

فلسفی اعتبارات سے شاعری کا شروع طبیعت سے ہی ہوا - تاریخی لحاظ سے یہ کہا جاویگا کہ شاعری کی فلاں ملک یا فلاں قوم میں فلاں زمانہ یا فلاں وقت میں بنیاد رکھی گئی اور فلاں وقت یا فلاں زمانے میں لیکن طبعی اعتبارات سے کہا جاوگا کہ ہر طبیعت اسکا شروع اور اسکا کمال اپنے ساتھ ہی لاتی ہے اور ہر طبیعت میں یہ

حاشیہ صفحہ ۱۳ - شاعری پر ہی موقوف نہیں جس شاخ اور جس شق میں خصوصیت ہوگی اُسمیں نمایاں نشوونما ہونے لگیگا جو طبیعتیں ریاضی میں خصوصیت رکھتی ہیں وہ ریاضی میں چمکتی اور شہرت پاتی ہیں - ایک جماعت میں بیسیوں طالب علم پڑھتے ہیں ہر ایک کا مذاق جداگانہ ہوتا ہی یہ جدا بات ہے کہ سلسلہ تعلیم ناممکن رہی ورنہ بصورت تکمیل تعلیم ہر طبیعت اپنا رنگ دیجاتی ہی - اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسی خاص طبیعتیں کسی اور شق میں ملکہ حاصل کرنے سے عاری ہوتی ہیں - ملکہ حاصل کرتی ہیں لیکن کمال اُسی شق میں ہوتا ہے جو طبعی مذاق کے مطابق ہوتا ہے - ۱۲

جوہر مستتر ہوتا ہے۔ ہاں عرفی اعتبارات سے یہ قرار دینا مشکل نہیں ہے کہ فلاں زمانہ یا فلاں وقت میں اس کی بنیاد پڑی۔ ہر قوم میں شاعری کے شروع کے متعلق چند در چند روایتیں مشہور ہیں کچھ اُن میں سے علمی اعتبارات رکھتی ہیں اور کچھ محض استقرائی ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن میں سے چند روایات فرضی ہوں اور چند واقعات کے مطابق۔

مسلمانوں کی تاریخِ شاعری میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شعر گوئی کا شوق گویا حضرت آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہوا ہے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جیسے آدم علیہ السلام کی ذریات میں یہ ولولہ یا شوق طبعاً پایا جاتا ہے۔ آدم کی طبیعت میں بھی مُودَع ہوگا اور کیا وجہ ہے کہ حضرت آدم اُس سے کام نہ لیتے۔ چنانچہ مرزا صائب کہتے ہیں۔

آنکہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود
طبعِ موزوں حجتِ فرزندیِ آدم بود

حضرتِ خسرو دہلوی بھی اسے یوں ثابت کرتے ہیں۔

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ[1] ایم
دل بایں حجت نہ از خود دادہ ایم

بعض عُلما نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت ہابیل فرزند آدم علیہ السلام مقتول ہوئے تو حضرت آدم نے بزبان سُریانی نثر میں کہا تھا نہ کہ شعر میں یہ ایک معمولی بحث ہے اگر مان لیا جاوے کہ نثر میں ہی کچھ کہا تھا تو اس سے بھی ہمارا مدعا فوت نہیں ہوتا۔

[1] شاعرزادہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ سچ مچ حضرت آدم علیہ السلام باقاعدہ شاعر ہی تھے بلکہ یہ کہ جیسے طبعاً انسان کیواسطے موزونیتِ طبع لازمی ہے ایسے ہی حضرت آدم بھی موزوں طبیعت رکھتے تھے گویا ہم سب کے سب وِرثتاً طبیعت کی موزونی یا مناسبت پسندی کا مادہ اپنی طبائع میں رکھتے آئے ہیں ۱۲

ہماری بحث ابتدائی حالات کے اعتبار سے صرف موزونیت کی بابت ہی کہ جو فقرہ اطلاق کیا گیا تھا وہ موزوں تھا۔

ایسے موزوں فقرات کا اطلاق صرف آدم علیہ السلام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا اور بزرگانِ دیں اور سلف صالحین ہر ملک و ہر قوم کے ملفوظات میں بھی اسکا اثر موجود ہی۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملفوظات عبری میں بھی ایسی موزوں کلام پائے جاتے ہیں چاہے انہیں نثر کہو اور چاہے نظم۔ چنانچہ زبور عبرانی میں یہ فقرہ منظوم موجود ہے۔

اشرھا ایش اشر لوحالح لعصت رشاعم۔

ابدرخ حطأ لمرلوعما دلوا بم شب لصم لوأشاب

اسی طرح اور چند مثالیں[1] بھی دی جا سکتی ہیں۔

موزوں طبائع کے جوش موزونیت سے رفتہ رفتہ شاعری کی بنیاد پڑتی گئی اور ایک خاص درجہ کی صورت میں منتقل ہو کر ایک فن قرار پا گئی۔

---

[1] ہندی میں بھی اس قسم کی اکثر نظیریں موجود ہیں۔ مہاتما حضرت بابا نانک صاحب کے گرنتھ صاحب اور دیگر تصنیفات میں بیسیوں اس قسم کے فقرے اور بچن پائے جاتے ہیں جو بادی النظر میں ایک نظم یا شعر معلوم دیتے ہیں۔ بابا صاحب مرحوم شاعر نہیں تھے لیکن طبیعت میں چونکہ وہی جوش اور مذاق موزونیت موجود تھا اسواسطے نثر کی حالت میں بھی مقفیٰ اور موزوں بچن یا فقرات نکلتے گئے۔ اسی طرح زبانِ پارسی میں بھی بیسیوں تصنیفات اور اقوال میں اس قسم کی شہادتیں پائی جاتی ہیں خود ہماری روزمرہ میں بھی لبسا اوقات موزوں فقرات کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض اوقات قوافی کے اعتبار سے بھی ان میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔

شاعری کا موضوع

ہر فن یا شعبہ کا موضوع ہمیشہ اپنی تعریف کے تابع ہوتا ہے یا یہ کہ تعریف کی وسعت کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں مذاق یا میلانِ طبیعت کی جھلک بھی پائی جاتی ہے جسطرح تعاریف میں بعض اوقات مغائرت اور تبائن پایا جاتا ہے۔ موضوعات میں بھی ایسا تبائن یا مغائرت موجود ہوتی ہے۔ اگر ہم ہر ملک یا ہر قوم کی شاعری فرداً فرداً لیں تو ہمیں کہنا پڑیگا کہ اُنکے موضوعات شاعری میں گونہ فرق ہے مگر باوجود اس تبائن اور مغائرت کے تعاریف کیطرح مشارکت بھی پائی جاتی ہے تعریف اور موضوع میں فرق یہی ہے کہ تعریف میں ایک طاقت یا ایک حالت کی وسعت اور جامعیت بیان کیجاتی ہے اور موضوع سے ایک عملی حالت مراد ہے اور موضوع ہمیشہ اپنی طرف کے ماتحت ہوتا ہے۔ مشرقی شاعری کا موضوع کچھہ اور بیان کیا جاتا ہے اور مغربی شاعری کا کچھہ اور گو ان دونوں موضوعات میں خفیف اختلاف ہے لیکن اگر بہ نظر غور دیکھا جاوے تو کوئی ایسا بعید فرق نہیں ہے جس سے دونوں میں ایک کلی مغائرت تسلیم کیجاوے۔

مشرقی شاعری کے موضوع میں روحانی۔ صوفیانہ۔ اخلاقی[1]۔ معرفت۔ پندو نصائح۔ وہمی۔ عاشقانہ مواد زیادہ شامل ہیں یا یہی مواد اسکا موضوع ہیں۔

---

[1] بعض اعتراض کرتے ہیں کہ مشرقی شاعری کے موضوع میں مخرب اخلاق مواد زیادہ ہوتے ہیں اور وہ دائرہ تہذیب اور صداقت سے خارج ہو کر ایک قابلِ شرم مبالغہ تک جا پہونچتے ہیں اور سوائے لفظی اینچ پیچ یا بندشوں کے اُنمیں نیچر کا منظر بالکل ہی مفقود ہوتا ہے جب ایک شے تسلیم

برخلاف اس کے مغربی شاعری کا موضوع قدرتی دلفریبیوں کا انکشاف اور استدلال ہی مغربی شاعروں کا مقولہ ہے کہ شاعری میں سادگی نازکخیالی تاثیر بالخصوص پائی جانی چاہئے اور اسکی وسعت فطرتی حدود یا فطرتی قوانین سے متجاوز نہو۔

ان دونوں موضوعات میں گو اختلاف ہی مگر اگر بامعان دیکھا جاوے تو مشرقی موضوع اُن مواد سے معرّا نہیں ہے جو مغربی موضوع کا جزو اعظم ہیں صرف طرز بیان اور طریق استدلال کا کسیقدر فرق ہی۔ جہاں مشرقی شاعری میں روحانی۔ صوفیانہ مواد پر بحث ہوتی ہے اس میں فطرتی قوانین کا سلسلہ بھی ضمناً شامل ہی۔ سادگی نازکخیالی۔ اور تاثیر تینوں اجزا موجود ہیں۔ نازکخیالی تو بہانتک ہی کہ اسی کی بدولت زیادہ تر اُسے بدنام کیا جاتا ہے اگر اس پہلو پر نظر کیجاے تو شکل اعتراض یوں ہوجاتی

بقیہ حاشیہ۔ کرکے یا ایک شی کی برائی دل میں رکھکر اعتراض کیا جاتا ہی تو ہمیشہ اس میں معترض دہوکہ کہاجاتا ہی فارسی عربی یا اردو ہندی شاعری پر بہت اعتراضات صرف نمایش کے طور پر کیے جاتے ہیں یا یہ کہ چند اشعار اور چند ابیات پر ہی تمام اعتراضات کی بنیاد ہوتی ہی۔

مشرقی شاعری پر دراصل تین بڑے اعتراضات ہیں۔

(الف) اس کی بنیاد قوانین نیچر پر نہیں ہی یا وہ نیچرل منظر نہیں دکھاتی۔

(ب) اس میں سادگی نہیں۔

(ج) اس میں مبالغہ بہت ہے اور دور از قیاس استعارات سے کام لیا جاتا ہے اور اُسکے مضامین کا مخزن گندے قیاسات یا غیر مہذب خیالات ہیں جنسے اخلاقی سبق نہیں لیا جاسکتا۔

ان ہر سہ اعتراضات میں مبالغہ کا پہلو لیا گیا ہے اور چونکہ دراصل سرے سے ہی مشرقی شاعری سے نفرت تھی اسواسطے خوبی کا وجود ہی اڑا دیا گیا ہے اور خلاف اسکے دوسری طرف مغربی شاعری

مشرقی شاعری میں اسقدر نازک خیالی یا ایسی باریک نازکخیالی سے کام لیا جاتا ہے کہ وہ ایک ناممکن کی حدتک پہنچ گئی ہے اس شکل کے اعتراض میں اس سے انکار نہیں کیا جاویگا کہ مشرقی شاعری میں نازکخیالی نہیں ہی ہاں یہ کہا جاویگا کہ بہت بڑہکر ہے۔ سو یہ ایک دوسری صورت ہے۔ ان تینوں اجزاے سادگی نازکخیالی تاثیر کے مفہوم یا تعاریف میں اپنے اپنے مذاق شخصی یا قومی اور ملکی کے مطابق گو نہ تفاوت ہے ورنہ وجود اُن کا دونوں شاعریوں میں پایا جاتا ہے۔

سادگی دوقسم پر ہے۔ لفظی سادگی۔ معنوی سادگی۔ لفظی سادگی سے یہ مراد ہے کہ ایسے الفاظ سے شعر مرتب یا مرکب ہو کہ جو سامعین پر بار نہو بغور استماع ہی سے اسکی خوبی اور حسنت نقش ہوتی جاوے۔ اسمیں پیچیدگی اور غلجان نہو کشیدگی اور تکلف نہ پایا جاوے۔ معنوی سادگی سے یہ مقصد ہے کہ خواہ مخواہ کی کشش اور دورازقیاس اور بعیداز عقل استدلال نہ کیا گیا ہو طبعیت میں استماع سے گھبراہٹ نہ پیدا ہو

بقیہ حاشیہ۔ یں خوبیاں ہی خوبیاں تسلیم کر لی گئی ہیں۔ حالانکہ وہ بہی اعتراضات سے بچتی نظر نہیں آتی اس میں بہی مشرقی شاعری کی طرح کمزوریاں ہیں ہم نمبروار دکہاتے ہیں کہ ان اعتراضات کی اصلیت کیا ہے۔

پہلا اعتراض یہ ہی کہ مشرقی شاعری کی بنیاد فطرتی قوانین پر نہیں ہی یا وہ نیچرل منظر نہیں دکہاتی صرف شاعری پر ہی نہیں بلکہ مشرقی فلسفہ پر بہی یہ اعتراض کیا گیا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ مشرقی فلسفہ بودا اور نکما ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہی ہمنے ایک جداگانہ رسالہ میں یہ بحث کی ہے کہ یہ ایک غلطی ہے۔ اسیطرح ہم یہ کہتے ہیں کہ مشرقی شاعری پر بہی یہ اعتراض بجاے خود بودا اور نکما ہے اور اس امر کی دلیل یہ ہی کہ حقایق نیچر یا تعریف مواد نیچر سے دور رہکر یہ اعتراض کیا جاتا ہے دنیا میں

بلکہ دلچسپی مشرقی اور مغربی شاعری میں سادگی کا بالعموم یہی مفہوم لیا جاتا ہے
اس اصول پر دونوں شاعریوں میں سادگی موجود ہے اگر مشرقی شاعری میں کہیں
کہیں دقت پسندی اور تکلّف پایا جاتا ہے تو مغربی شاعری بھی اُس سے خالی نہیں
ہے۔ شاعر ہمیشہ دو مذاق یا دو درجے کے ہوتے ہیں ایک وہ شاعر جو ہمیشہ اعلیٰ
مضامین اعلیٰ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں یہ گروہ ایک خاص گروہ ہے۔ انکی سادگی ہمیشہ
اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے اگرچہ یہ لوگ مضامین کو نہایت سادگی سے ہی بیان کرتے
ہیں مگر پھر بھی عامیانہ مذاق اور سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں اور محدود الخیال یہ کہنے
لگ جاتے ہیں کہ اُن میں سادگی نہیں ہے دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں
جو متوسط درجے کے مضامین لیتے اور معرض بیان میں لاتے ہیں۔ جب کبھی یہ
گروہ اعلیٰ مضامین لیتا ہے جو انکی حیثیت اور لیاقت سے بالاتر ہوتے ہیں تو اُس وقت
بیشک ایک بدمزگی پیدا ہوتی ہے میں قبول کرونگا کہ اکثر اوقات مشرقی شاعری
میں ایسا مبالغہ ہوتا ہے جو سادگی نہیں رکھتا مگر یہ شاعری کا قصور نہیں ہے بلکہ
اسکے متبعین کا۔ شاعری اس کی متقاضی نہیں۔

بقیہ حاشیہ۔ جو کچھہ پایا جاتا ہے یا جو کچھہ موجود ہے یہ سب نیچرل منظر ہے اور یہ منظر دو حالتیں رکھتا ہے

(۱) خارجی۔

(۲) ذہنی۔

جو کچھہ خارج میں ہے اُسے ذہن قبول کرتا یا اسکا اثر ڈالنا پڑتا ہے یا یہ کہ ذہن اُس کی تربیت دیتا
اور تشریح کرتا ہے اگر ہماری ذہنی طاقت ان اوصاف سے متصف ہو تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ منظر قدرت
کچھہ بھی سودمند ہوگا ایک اندھا بصارت کے نہونے سے نیچرل منظر سے کیا کچھہ فائدہ اٹھا سکتا ہے

یہ حالتیں مشرقی اور مغربی دونوں شاعریوں میں پائی جاتی ہیں کیا مغربی شاعری میں یہ دقتیں اور یہ الفاظ نہیں ہیں کیا مغربی شاعری میں ہر شاعر کی تصنیف یا تالیف احتیاج شروح سے باہر ہے یا اس میں مراتب امتیازی نہیں ہیں۔ معترضین جب ایک غزل یا ایک قطعہ میں دو چار شعر یا ایک مثنوی میں دو چار بیت مشکل پاتے ہیں تو مابقا سے بھی دست بردار اور بدظن ہو جاتے ہیں اور مغربی شاعری میں جب ایک دو شعروں میں سادگی دیکھ لیتے ہیں تو کل پر حاوی کر لیتے ہیں یہ طریق عمل احقاق حق کے خلاف ہے۔

نازکخیالی بھی دونوں شاعریوں میں موجود ہے صرف فرق یہ ہے کہ مغربی شاعری میں سادہ سادہ نازکخیالیاں یا عامیانہ ہیں اور مشرقی شاعری میں دونوں قسم کی ہیں مغربی شاعری میں نازکخیالیاں عموماً استعاروں سے معرّا ہیں اور خلاف اسکے مشرقی شاعری کی نازکخیالیاں استعارات میں ڈوبی ہوئی ہیں یہ کون کہتا ہے کہ استعارات نازکخیالیاں نہیں ہیں وہ بھی دائرہ نازکخیالیوں میں شامل ہیں مشرقی شاعری میں۔

" تشبیہات سے۔

" تلازمات سے۔

" استعارات سے۔

کام لیا جاتا ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ ایک گونگا باوجود دیکھنے اور مشاہدہ کرنیکے نیچرل منظر کی کیا کچھ تفصیل اور تشریح کر سکتا ہے جس شخص میں حواس ظاہری تو ہوں لیکن قوت متفکرہ اور قوت بیانیہ نہو تو وہ نیچرل مذاق یا نیچرل منظر سے

جیسے تشبیہات اور تلازمات لفظی اور معنوی دونوں ہوتے ہیں اور سطح استعارات بھی دونوں حالتوں میں پائے جاتے ہیں۔ مشرقی شاعری میں ان دونوں کا زیادہ رواج

بقیہ حاشیہ۔ کہاں تک مستفید ہو سکتا ہے اس بحث سے ثابت ہوا کہ ہم نیچرل منظر سے اس حالت میں خود مستفید ہو سکتے اور دوسروں کو مستفید کر سکتے ہیں کہ جب ہماری ذہنی طاقتیں سلیم الحالت ہوں۔

یہ تو ذہنی طاقتوں کا ایک رخ ہے دوسرا رخ موسوم بہ منظر نیچرل ہے یعنی جیسے نیچر کا ایک ظاہری منظر ہے ایسے ہی ایک ذہنی منظر بھی ہے۔

جسطرح لارڈ بیکن نے روحانی فلسفہ الگ رکھکر جسمانی فلسفہ کا سلسلہ لیا اور شہرت حاصل کی اسی طرح مغربی شاعروں میں سے اکثر شاعروں نے منظر خارجی سے زیادہ تر استفادہ کیا ہے۔ کچھ شک نہیں اُسے اچھا نباہا ہے اور اس میں قابل تعریف نازکخیالی دلچسپی اور تاثیر پیدا کر دکھائی ہے چونکہ مشرق میں مذہبی خیالات اور روحانی مواد کا نسبتاً زیادہ زور رہا ہے یا یوں کہیے کہ مشرقی طبائع میں یہ مادہ نسبتاً زیادہ موجود ہے اسواسطے مشرقی شاعروں کا جزو اعظم بھی روحانیات اور صوفیانہ مشرب ہی قرار پاتا رہا۔ گو اسکے ساتھ ہی نیچرل منظر خارجی بھی زیر مشق رہتا آیا ہے مگر اس میں نسبتاً زیادہ توغل رہا ہے۔ اب یوں کہا جاویگا کہ۔

"مغربی شاعری نیچر کے ظاہری منظر کی تشریح کرتی ہے اور
"مشرقی شاعری ذہنی روحانی اور ظاہری منظر دونوں کی شارح اور معلم ہے۔

مشرقی شاعری کی یہ شق تو معترضین بھول جاتے ہیں اور مغربی شاعری کا ظاہری منظر لے لیتے ہیں یا تو اس ذہنی منظر کو دائرۂ نیچر سے نکال دیا جاوے اور یا شامل کیا جاوے مغربی شاعری میں جو قدرتی منظر کا سماں زیادہ تر دلچسپی سے دکھایا جاتا ہے کیا اسکا بھی اخیر نتیجہ یہی روحانی ذہنی اور اخلاقی سبق نہیں ہے جب ایک مغربی شاعر ایک پھول کی خوشنمائی اور اسپر شبنمی سماں دکھا کر طبیعتوں میں ایک

اسواسطے بہی ہوگیا کہ مشرقی مذاق میں عمدگیِ مضامین کیساتھ زیادہ ترپسندیدہ عمل رہاہے کہ نظائر اور تماثیل سے اثر ڈالا جاوے خواہ عاشقانہ مضامین میں ہو اور خواہ روحانی اور اخلاقی مقاصد میں اور خواہ عامیانہ گفتگو میں ان حالات میں استعارات تشبیہات اور تلازمات کے سوائے کام نہیں چلسکتا تہا۔

بقیہ حاشیہ۔ جوش پیدا کرتا ہے کیا وہ ذہنی طاقتیں حرکت میں نہیں لاتا ہے جب ایک مغربی بیان قدرتی مناظر سے خدا کی خدائی کا استدلال کرتا ہی تو کیا وہ روحانیات کی طرف نہیں لیجاتا ہے۔ صرف طرز بیان یا طرز استدلال میں فرق ہے ورنہ نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے۔

ایک یہ بہی فرق ہی کہ مغربی شاعر ہمیشہ نیچرل منظر سے براہ راست ایک نتیجہ نکالنے کے عادی ہیں مثلاً ایک مغربی شاعر ہمیشہ یوں کہیگا۔

"نیلے نیلے بادل میرے دل کی مسرت کا موجب ہیں اور ان میں سفید سفید بگلوں کا اڑنا ایک خوشی کا سماں ہی" اسے ایک مشرقی شاعر عموماً یوں بیان کریگا۔

"نیلگوں بادلوں سے خدا کی قدرت عیاں ہے اور سفید سفید بگلو نکے اُڑنیسے ثابت ہی کہ یہ خدا کی ستایش اور تقدیس میں ہیں"

دوسرا یہ اعتراض ہی کہ مشرقی شاعری میں سادگی نہیں ہی سادگی کی نسبت ہم نے اس مضمون کے متن میں مختصر بحث کر دی ہے جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یہ اعتراض بہی مبالغہ سے خالی نہیں ہی اس حاشیہ میں اسکے متعلق یہ ایزادی کرتے ہیں کہ سادگی تو موجود ہے مگر ایک قسم کی سادگی ہمیں پسند آتی ہی اور دوسری قسم کی نہیں۔

مشرقی شاعروں میں اس قسم کے سادہ گو گذرے ہیں اور اب بہی موجود ہیں جو اپنی نظیر آپ ہی ہیں متقدمین سے حضرت سعدی۔ صائب۔ واقف۔ اور حال میں سے امیر۔ داغ

مرزا صائب کہتے ہیں۔

خوشا کسے کہ بہ خونِ جگر وضو سازد — بہ اشک سینۂ خود پاک زار رو سازد
بہ دوشِ خود بہ عزیزی دہند خلقش جاے — بدست کوتۂ خود ہر کہ چوں سبو سازد
مکن اہانتِ ظالم ز سادہ لوحی ہاے — کہ تیغ سنگ فسان را سیاہ رو سازد

ولہ

بہ حسنِ خلق دلہا را مسخر مے تواں کردن — بایں عنبر دو عالم را معطر مے تواں کردن
بہ خون خوردن اگر قانع شوی از نعمت الوان — چہ خوں ہا در دلِ ایں چرخِ اخضر مے تواں کردن
اگر از خامشی مہر سلیمانی بدست آرے — پری زادِ ان معنی را مسخر مے تواں کردن

بقیہ حاشیہ۔ آزاد۔ حالی۔ اکبر۔ شاد۔ جلال۔ حبیب۔ حسرت موہانی۔ پروفیسر اقبال۔ میر نیرنگ۔ شاطر۔ طالب۔ مسیح۔ سرور۔ شوکت۔ حضرت ریاض۔ ارشد۔ ناظم۔ قابل تذکرہ ہیں۔ کون کہتا ہے ان کا کلام سادگی سے معرا یا خالی ہے بعض لوگ سادگی سے مراد ایک ایسی بودی بندش لیتے ہیں جو گویا حد شاعری سے ہی بیروں ہو وہ سادگی تو نہیں بلکہ ایک بے ربطی اور بے ضبطی۔ اگر یہ کہا جاوے کہ مسائل فلسفہ کی بندش اور طرز استدلال تاریخی مضامین یا داستان و تذکرے کے مطابق ہو تو کون قبول کریگا اور اسمیں فلسفہ کی شان ہی کیا رہیگی۔ ایک دفعہ مرحوم مولوی محمد چراغ علی صاحب بالقابہ سے کسی نے سوال کیا تہا کہ آپکے کلام میں مغلق یا ثقیل الفاظ زیادہ ہوتے ہیں مولوی صاحب مرحوم نے جواب میں کہا میاں۔ آخر میری اور ایک کنجڑے کی گفتگو میں کچھ تو مابہ الامتیاز ہونا ہی چاہیئے۔ جب شاعری میں ایک موزوں منتخب تخیل اور ایک نازک بندش کی ضرورت ہے تو اسمیں ایک خصوصیت بھی ضرور ہی پائی جانی چاہیئے جہاں خصوصیت اختیار کی ہوگی وہاں سادہ مضامین بھی ایک قسم کی سادگی سے رنگے جاوینگے۔ ۱۲

ولہ

منہ زنہار اے غافل زحدِ خود قدم بیرون
ندارد و انہ جز خوردنِ دل و ام جهتا
مشو غافل ز راہِ عجز با ہر کس طرف باشی

کہ ریزد خونِ خود صیدے کہ آید از حرم بیرون
منہ تا ممکن است از گوشۂ عزلت قدم بیرون
کہ باید فتح زان جانب کہ آید این علم بیرون

واقف علیہ الرحمۃ

ایدل کہ زما پیش باین بزم رسیدی
بستی خطِ اغیار چہ تعویذ بباز و
عمر تو دلا - در قفسِ سینہ بسر رفت
ای اشک ترا فائدہ زین قطرہ زدن چیست
با لیست ترا ز دو دیدا نپے آن طفل
صد بار نشستی بہ کمینِ دلِ ما حیف
دل مے برد از ما چہ صباحت چہ ملاحت
چون شمع مرا سوخت درازی شبِ ہجر
دیگر چہ فروشد بتو واقف کہ متاعش

بارے خبرے دہ کہ چہ گفتی چہ شنیدی
غم نامۂ ما بود کہ ناخواندہ دریدی
یک روز اسیرانہ صفیری نکشیدی
بسیار دویدی و بجائے نرسیدی
از چشمِ من اے اشک چرا دیر چکیدی
تیرے نکشادی و کمانے نکشیدی
در عشق ندانیم سیاہی و سفیدی
داغم ز تو اے صبح چرا دیر دمیدی
دل بود کہ آنرا تو بہ یک عشوہ خریدی

یہ دونوں غزلیں دو مشہور فارسی شاعروں کی ہیں - ان میں نہ تو اغلاق ہے - اور نہ مبالغہ - اور مشکل پسندی - سادہ طرز اور روشن زمین میں کہی گئی ہیں -

[1] تیسرا اعتراض یہ تھا کہ ایشیائی شاعری میں مبالغہ ہوتا ہے - یہ اعتراض بھی تکلف سے خالی نہیں -

مگر باوجود اس سادگی کے بھی ان میں مناسب استعارات ہیں۔ اگر ایسے استعارات سے بھی طبیعت اکتاتی اور دل گرتا ہی۔ تو پھر میں نہیں جانتا کہ نظم کی خوبی اور نفاست کیا ہوگی۔ شاعر ایک بڑے لمبے چوڑے واقعہ کی تلخیص اور ایک وسیع مضمون ایک شعر میں لانیکی کوشش کرتا ہے۔ خیالات میں جو تموج اور جوش ہوتا ہے اُسے ایک خاص دائرہ میں لاکر دکھانا اپنا فرض سمجھتا ہے ایسی حالت میں شاعر کسطرح ایک معمولی تکلف سے بچ سکتا ہے۔ شعر کہنا یا کسی واقعہ اور خیال کا نظم کرنا اسواسطے بھی زیادہ مشکل ہے کہ طائر واقعات کا دام تلخیص میں بند کرنا اور پری معانی کا آئینۂ فصاحت میں دکھانا چلے مشکلے دارد۔ شعر اور نظم اگر نثر کے قالب میں لائی جاے تو کیوں بھدی معلوم ہوتی ہی۔ اور کیوں دل سے اترجاتی ہی اسواسطے کہ نہ تو وہ بندش اور تلخیص باقی رہتی ہے۔ اور نہ وہ طاقت جو اُس تلخیص میں بھری گئی تھی۔ شعر یا نظم دراصل چند واقعات یا حادثات یا کیفیات کا لُب یا سَت ہوتی ہے۔ اگر ایک خاص مقدار کے لب یا ست میں وافر پانی ڈالا جاوے تو اسکا وہ اثر اور وہ طاقت باقی نہیں رہیگی۔ اور اگر اسکے برعکس ایک شئے کا ست لیا جائے تو وہ

بقیہ حاشیہ۔ جہاں خالی واقعات اور خیالی کیفیات سے کام لیا جاے۔ مبالغہ ضرور ہوگا۔ کیا ناولوں اور ڈراما میں مبالغہ نہیں ہوتا کیا فرضی داستانوں اور تذکروں میں اس سے کام نہیں لیا جاتا کیا اثر ڈالنے کی غرض سے ایک معمولی واقعہ پر درد الفاظ کے قالب میں ایک درد اور سوز سی ظاہر نہیں کیا جاتا۔ رزمیہ نظموں اور عشقیہ قصوں میں جو طرز اختیار کیجاتی ہے کیا وہ مبالغہ سے خالی ہوتی ہے۔ مبالغہ دو قسم پر ہے "مبالغہ فی الاصل" اور "مبالغہ فی الزوائد" مبالغہ فی الاصل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شاعر ایک واقعی حسین کی تعریف میں بوجہ اس کی ذاتی کشش اور دلربائی کے

بہ نسبت اپنے ابتدائی یا اصلی مقدار کے زیادہ تر قوی ہوگا۔ جب نثر یا عام طرز بیان
کی شعری قالب میں تلخیص کیجاتی ہو تو وہ بھی گویا اُسکا ایک لطیف ست یا لُب ہوتا ہے
اس میں نسبتاً طاقت زیادہ اور کشش قوی ہوتی ہے۔ نثر کا ایک صفحہ پڑھ دینے سے
وہ اثر نہیں ہوتا۔ جو ایک شعر سے ہوتا ہے سپیکرز اور واعظین جو اپنی اپنی اسپیچ اور وعظ
میں کبھی کبھی مؤثر اشعار پڑھنے اور ضرب الامثال یا اقوال کا حوالہ دیتے ہیں اسکا
موجب یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے کلام کو اس مصالحہ سے موثر اور پُر مزہ بنانا چاہتے ہیں
اوپر کی غزل میں حضرت واقف علیہ الرحمۃ کہتے ہیں۔ ؎

اے اشک ترا فائدہ زیں قطرہ زدن چیست
بسیار دویدی و بجائے نرسیدے

عام طبیعتیں اس منزل تک پہونچکر رہ گئی ہونگی۔ کہ شیخ نور العین واقف اشک
چشم سے مخاطب ہیں۔ نہیں نہیں یہ تو ایک تمثیلی اخلاقی سبق ہے۔ اگر اسے نثر کے
قالب میں لایا جاوے تو اسپر ایک علحدہ عنوان سے ایک بسیط مضمون لکھا جاسکتا ہے

بقیہ حاشیہ۔ دلچسپ استعاروں اور موزوں فقرات اور چُست کلمات سے کام لے۔ یا ایک قدرتی
منظر کی ذاتی عمدگی کا اعلیٰ درجہ کی تمثیلات سے اظہار کرے۔ درحقیقت یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک شے کی
ان اوصاف اور ان جذبات کی مکمل تشریح ہے جس سے عوام الناس ناآشنا ہیں۔ ایک قدرتی منظر
پر ہر ایک کی آنکھ پڑتی تھی۔ لیکن جب ایک باںذاق شاعر اُسکی اپنے مذاق کے مطابق تفصیل اور تشریح
کرتا ہے تو سامعین کو رولاتا ہی نہیں۔ بلکہ اُنکے گوہر دل چھید چھید چھلنی کردیتا اور اُنکا سوز اندرونی
جوش میں لاتا ہے صدائے نَے ہر کوئی سنتا اور نَے ہر کوئی دیکھتا ہے لیکن جسوقت ایک پرور شاعر
اپنے رنگ میں صدائے نَے اور نَے کی حکایت سناتا ہی اُسوقت دلوں پر جو گذرتی ہی اُسے دل ہی

اس میں تمثیلاً اشک کی ہمت - جرأت اور کمال کا مذکور ہو کر یہ جتلایا گیا ہے کہ باوجود
اس تنگ و دو کی منزل کچھ بھی طے نہوئی ایسی حرکت اور تنگ و دو کا فائدہ ہی کیا - یہ
شعران لوگونکے واسطے اخلاقی رنگ میں ایک تمثیلی تازیانہ ہے جو باوجود کم ہمتی کم بضاعتی
اور کم لیاقتی کے اپنی حد سے باہر جاتے اور باہر قدم رکھتے ہیں - جب ایک مقرر یا
لکچرار اس مضمون پر وعظ کہتا اور لکچر سناتا ہی تو یہ شعر نظیراً اپنے دعوے کی تائید اور
توضیح میں پڑھکر جو کچھ پہلے تفصیلاً کہا ہے - اسکو خلاصتاً پھر دہرا سکتا ہے -

بقیہ حاشیہ - جانتے ہیں - نئے کے دیکھنے سے وہ لطف اور وہ سوز نہیں ہوتا جو نئے کے بجائے
یا سننے سے ہوتا ہے - یہ کیوں اسوجہ سے کہ نئے انسانی لبوں سے ملکر قصہ درد و سوز لطیفاً پیش نہیں
کرتی - اور اپنا فوری اثر اُن پر ڈالتی ہی - اسیطرح معمولی منظر اور ان چیت یا خشک واقعات اور کیفیات جب شاعر
کے مذاق اور سوز دل سے تعلق پذیر ہو کر اُس کی پر درد جادو بیان زبان سے معرض اظہار میں آتے
ہیں تو اُنکا اثر اُنکا سوز اُنکا جذب معمولی حالات سے کہیں زیادہ اور پُر جوش ہوتا ہی سامعین کی طبیعت
میں ایک اُمنگ شوق - ولولہ - آرزو پیدا ہوتی ہے - اور انہیں اُن تفریحات کے مقدس دائرہ میں
لیجاتی ہے جو دماغی اور قلبی خوشی کا ایک حقیقی اور طبعی ذریعہ ہیں - یہ شاعری کی لطافت بیانی اور معجز نمی
کا ہی اثر ہے کہ ایک خشک اور ان چیت واقعہ بحر سوز میں ڈوبا ہوا آب درد سے لبریز طبیعتوں میں
فوری اثر جاتا اور دلونکو رلاتا ہے اگر شاعر اپنے مذاق اور تصرفات سے کام نہ لے تو یہ حالت کیونکر
پیدا ہوسکتی ہے - جب طبیعت یا کوئی شخص چند منتشر واقعات میں اپنے مذاق کی موافق تصرف کرتا ہی
تو اُسے ایک اختیار باعتبار اختصار و ایجاز تشریح و تفصیل - اشارہ و کنایہ - معما و استعارہ تشبیہ و تلازمہ
حاصل ہوتا ہے - بمصداق یجوز للشاعر مالا یجوز لغیرہ باثنائے ایسے تصرف کی مناظر میں کثرت
کرنی پڑتی ہی بیشک ایک مخمل کا تھان ایک قیمتی سی شے ہے - اُسے مقراض کیا ہاتھ ہی نہیں لگنا چاہیے - لیکن

شاعری کا مدعا۔۔۔ وہ لوگ غلطی پر ہیں جو شاعری کا کوئی مدعا نہیں سمجھتے۔ شاعری ایک فن ہے اور ہر فن کا کوئی نہ کوئی مدعا ہوتا ہے۔ وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو شاعری کا مدعا صرف یہ سمجھتے ہیں۔

"چند الفاظ کا بہ تقید اوزان و بحور جمع کر لینا"

"چند واقعات اور کیفیات کی بندش یا تلخیص" یہ شاعری کے مدعا نہیں ہیں۔ یہ تو عوارض یا زوائد خاصہ ہیں۔ ہاں ایسے زوائد ہیں جنکے بغیر کالبد شاعری بھدا سا معلوم ہوتا ہے بیشک اَلنَّاسُ بِاللِّبَاسِ لیکن جیسے نرے لباس اور فوق البھڑک پوشش سے ہی انسانیت کا رتبہ نہیں ملتا۔ اسیطرح محض ان زوائد سے بھی شاعری کا مدعا حاصل نہیں ہو سکتا۔ شاعر یا شاعری کا خاص مدعا یہ ہے کہ۔

بقیہ حاشیہ۔ اس حالت میں مخمل کا تھان کہاں تک عزت اور بار پا سکتا ہے اور اُسے کیا فوقیت ملسکتی ہے اُسی حالت میں فوقیت اور بار پائیگا جب مقراض تدبیر اور سوزن تجویز سے کاٹا اور سیا جائیگا۔ مناظر اور واقعات یا قدرتی کیفیات بھی ایک تھ دار تھان ہیں بیشک اس حالت میں بھی وہ خوبصورت اور دلربا ہیں مگر جب تک مقراض تلخیص سے کاٹے اور سوزن تالیف سے سیئے نہ جاویں تب تک اُنمیں اثر اور ورد کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ جو لوگ فن شاعری اور شاعر کو تصرفات سے بالکل ہی معطل اور بے بہرہ رکھنا چاہتے ہیں کیا انکی یہ مرضی ہے کہ شاعر نرا ایک مؤلف ہی رہجائے اور بمصداق ؎

چشمانِ تو زیرِ ابروانند ٭ دندانِ تو جملہ در دہاں اند

یہ ایک مضمون کی تالیف یا ایک ترکیب ہے اس میں کوئی خوبی اور کوئی لطافت یا نفاست سوای اسکے نہیں ہے کہ ایک واقعہ کا ہو بہو اظہار کیا گیا ہے۔ اسکا اثر کسی طبیعت پر یا کسی سامع پر ایسا نہیں پڑ سکتا جیسے ایک شعر یا ایک بیت یا نظم تابع مفہوم شاعری کیواسطے لازمی ہے۔ بہت لوگوں نے

ہماری قوتِ متخیلہ کو جوش و تحریک میں لاکر ہم پر ایسے جذبات کا انشا و اظہار کرے جس سے دنیا و مافیہا زندگی۔ خوشی غم اور سوز کا علی اصول معلوم کرسکے۔ قوت متخیلہ کی طنابیں ہمارے ہاتھ میں ہوں اور ہم قوتِ متخیلہ کے ہاتھ میں یہی شاعر اور شاعری کا مدعا ہے اور یہی شاعر اور شاعری کی غرض جو شخص اور جو طبیعت اس اصول پر چلتی اور اُسے اپنا راہنما بناتی ہے۔ وہی وہی اور حقیقی شاعری کی تاریخ ہے۔ اور

بقیہ حاشیہ۔ نظم اور شاعری ایک ہی سمجھ رکھی ہے بیشک شاعری کے مفہوم میں نظم داخل ہے لیکن نظم کے مفہوم میں شاعری داخل نہیں۔ نظم نام ہے چند متفرق اور منتشر واقعات کی بندش اور ترکیب کا ضروری نہیں کہ اس میں لطافت شاعری ہی ہو۔ جیسے شعر بالا میں۔ لیکن شاعری یا شعر میں۔ بندش اور ترکیب ہی نہیں ہونی چاہئے بلکہ اثر۔ جذب۔ جوش۔ باریک خیالی۔ بلند پروازی۔ جدت اختصار۔ سوز۔ درد۔ زور بیان کی بھی سخت ضرورت ہے۔ ان امور کے پیدا کرنے کے واسطے شاعر نظم پر ہی بس نہیں کرسکتا۔ بلکہ اُسے اپنا زور طبیعت اور جوش مذاق بھی دکھانا پڑتا ہے۔ شاعر مناظر و واقعات اور کیفیات و حادثات کا محل اپنے زور طبیعت سے اس وادی میں لیجاتا ہے۔ جو شاعری کی زمین وادی سوز۔ وادی درد۔ اور وادی جوش سے موسوم ہے۔ اس وادی میں پہنچکر اور لوگ ہی حیران نہیں ہوتے بلکہ خود شاعر بھی ششدر رہجاتا ہے شاعروں کا اپنا ہی شعر پڑھکر رسہ کر پڑھنا اور جھوم جھوم کر مزے لینا اس امر کی زندہ دلیل ہے کہ خود شاعر بھی بندش لطیف اور تخیل نفیس سے سوز و درد میں آجاتا ہے اس کی طبیعت پر بھی وہی اثر ہوتا ہے جو سامعین پر۔ جسطرح ایک چھانٹا ہوا نشانہ ہدف دیکھکر اُچھلتا خوش ہوتا اور اپنے فن پر ناز کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک شاعر بھی اپنی طبع خداداد کے زور پر فخر اور ناز کرتا ہے یہ بھی اعتراض بعض اوقات کیا جاتا ہے۔

وہی الشعراء تلامیذ الرحمٰن کے زمرہ میں داخل ہے۔ صرف چند الفاظ یا کلمات کے جوڑ لینے یا ترکیب دے لینے سے کوئی شخص اور کوئی طبیعت حقیقی معنوں میں شاعر نہیں بن سکتی ہاں ناظم واقعات یا مرتب واقعات کہ لو تو کہ لو۔

بقیہ حاشیہ "ایشائی شاعر اکثر اپنی تعریف آپ کرتے ہیں۔"

"عموماً شاعری کے مذاق میں خود تعریفی داخل ہے۔"

اخلاقی کتابوں میں بیشک یہ بتلایا گیا ہے کہ خود تعریفی اچھا رویہ نہیں جو شخص اپنی تعریف آپ کرتا ہے وہ اخلاقی قیود سے باہر جاتا ہے لیکن اسکا یہ منشا نہیں ہوسکتا کہ ایک لایق شاعر یا ایک لائق سائنس داں اپنی معلومات یا طاقت اور زور معلومات کا اظہار ہی نہ کرے۔ جو شخص ایک فن میں ماہر ہے وہ ضرور یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ میں اس فن میں ماہر ہوں وہ اپنی لیاقت کے اظہار سے کبھی کبھی شرم نہیں کرتا۔"

ایک انگریزی مصنف کا قول ہے کہ "لیاقت اور شرمیلا پن دو متضاد چیزیں ہیں۔"

ایک عربی مصنف کہتا ہے کہ "وہی لوگ زیادہ شرمیلے ہوتے ہیں جو نالایق ہیں۔"

ایک اور حکیم کا یہ قول ہے کہ "گدا اگر شرمیلے ہوتے ہیں۔"

جو لوگ صاحب دماغ اور صاحب فطنت ہیں وہ اپنی لیاقت کا اظہار اور اعتراف بھی کرتے ہیں اور دوسروں کی لیاقت کے بھی بخوشی معترف ہوتے ہیں لیکن جو شخص خود لایق نہیں ہے وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ۔

لایق جماعت کے لوگ زمانہ میں باقی نہ رہیں یا انکی شہرت پر حرف آئے۔ وہ دوسروں کی لیاقت سے جلتا اور کڑھتا ہے اور کہتا ہے۔ اگر ایسے لوگ زندہ رہیں تو ہمیشہ کے لئے خاموش اور دم بخود تو ضرور رہیں۔ یا اپنی عظمت اور لیاقت کا اظہار نکریں۔ روشنی روشنی میں ملجاتی ہے۔ لیکن ظلمت سے

واقعات اور کیفیات کا نظم کرلینا مشکل نہیں۔ شاعری مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور شاعروں کا کلام کچھ حصہ تو نظم کا رکھتا ہے اور کچھ شاعری کے مذاق میں غرق ساری غزل ہی منتخب نہیں ہوتی۔ چوٹی کا شعر کوئی ہی ہوتا ہے۔ گو ایسے شاعروں کی تمام نظمیں اور ابیات دائرۂ شاعری میں داخل ہوتی ہیں۔ لیکن اُن میں سے چند ہی شعر ہونگے سر بر تاجِ امتیاز رکھا جاتا ہے۔ انتخاب اور بیاضوں کی بنیاد اسی وجہ سے پڑی ہے کہ شاعروں کے چیدہ کلام اُنہیں زیب اندراج پاتے ہیں۔ چند بیتوں کی غزل میں سے اگر ایک بیت ہی چوٹی کا نکل آوے تو ساری غزل ہی مرصع ہو جاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ روشنی جدا اور الگ رہتی ہے لیاقت اور جہالت میں بھی روشنی اور ظلمت کا سا فرق اور امتیاز ہے جسطرح روشنی ظلمت سے علیحدہ رہتی ہے اسی طرح لیاقت بھی جہالت سے الگ رہتی ہے۔ شرم وحیا بیشک ایک اچھی صفت ہے۔ لیکن وہ شرم وحیا جو تابع جہالت رہتی ہے ایک برا خاصہ ہے۔ اس خاصے میں انسان امتیازات کے حاصل کرنے سے رکا رہتا ہے لوگ شرمیلے پن کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن اسی تعریف کے شوق میں بسا اوقات اکثر اشخاص اور بالخصوص ہونہار بچوں کی جودتِ طبع اور زور فطرت اور ملکہ لیاقت دبا دیا جاتا ہے یہ وہ نقص ہے جو بہت سے لایق لوگوں یا ہونہار اور ذہین بچوں کو ہمیشہ کے لئے نکما بنا دیتا ہے۔ مسٹر ہربرٹ سپنسر نے اسکے متعلق اپنی کتاب تعلیم میں ایک دلچسپ بحث کی اور نظائر سے ثابت کیا ہے کہ صدہا ذہین اور ہونہار بچے شرمیلا بنانے کی دھن میں بے حس وحرکت کر دئے جاتے ہیں اور انکا وہ مادہ دبا دیا جاتا ہے جو مخزنِ لیاقت ہے۔ جو ایک بچہ شرم کے مارے بات تک نہیں کرتا۔ اور منہہ نیچے ڈالے اوہر اُوہر بھاگتا ہے تو اسکی تعریف کیجاتی اور اُسے رغبت دلائی جاتی ہے کہ اسی روش پر قایم رہے۔ طبیعت پر یہ ایک دباؤ اور مزاحمت ہے جب اگر ایک شگوفہ پھوٹتے ہی دبا دیا جاوے تو وہ وہیں کا وہیں رہکر خشک ہو جائیگا۔

شاعرون کے مدارج - جس طرح ہر علم اور ہر فن کے اندرونی درجے اور نمبر ہیں - اسی طرح شاعری یا شاعرونکے بھی درجے اور نمبر ہیں - ہر درجہ اور ہر نمبر میں تقابلاً امتیاز اور فرق ہے - چونکہ مذاق طبائع میں اختلاف اور فرق ہے اسواسطے ضروری ہے کہ نمبروں یا درجوں میں بھی گونہ فرق ہو - شاعرونکے بڑے بڑے درجے یہ ہو سکتے ہیں -

(الف) "طبعی یا وہبی شاعر"

(ب) "اکتسابی شاعر"

ان دونوں قسمونکے تابع اور قسمیں بھی ہیں بعض شاعروں میں آمد زیادہ ہوتی ہے -

بقیہ حاشیہ - ایسے ہی اکثر بچوں کی طبیعتیں اس عمل سے بند پڑ جاتی ہیں - تنزم اسی حد تک محمود اور سودمند ہے - جو شرط ادب اور دائرۂ حیا کے اندر اندر ہو - اس سے پیچھے رہنا طبیعت کو غبی اور کُند کر دیتا ہے - مبالغہ فی الزوائد میں وہ تمام کیفیات اور تمام حواشی شامل ہیں جو محض اس غرض سے معرض بیان میں لائے جاتے ہیں کہ سامعین کے دلوں پر ایک حیرت نما اثر ڈالا جاوے اور واقعات میں ایک غیر معمولی عمدگی خوبی یا زشتی - وحشت یا بھدا پن دکھایا جاوے ایسی طور پر ہیجا پیچ کیجاے جو ایک معمولی واقعہ کی وسعت بڑے واقعہ سے ٹکر کھا سکے - اس قسم کے مبالغے بیشک داستانوں اور تذکروں میں ہوتے ہیں - اور حق یہ ہے کہ ایشیائی طبائع میں انکا زیادہ تر مواد پایا جاتا ہے اور یہ صرف نظم و شاعری میں ہی نہیں - بلکہ نثر میں بھی موجود ہے لیکن یہ کہنا کہ ایشیائی شاعری کا سارا سرمایہ ہی اس رنگ سے رنگا ہوا ہے بجاے خود ایک مبالغہ ہے جو لوگ اُن نظموں اور اُن تصنیفات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں جو ایک شاعر کے اپنے خاص مذاق میں کہی گئی یا منظوم ہوئی ہیں وہ صحیح راے قایم نہیں کر سکے - ایک خاص مذاق میں جب کبھی واقعات کی تفصیل اور تنقید کیجاتی ہے تو وہ مبالغہ نہیں ہوتا

اور بعض آور وسے کام نکالتے ہیں بعض قدرتی امور کی جانب زیادہ توجہ رکھتے ہیں
اور بعض خیالی اور فرضی پہلو بہت لیتے ہیں۔ بعض سادگی پسند ہوتے ہیں اور بعض
اغلاق پسند۔ بعض مشکل مضامین سے نکل جاتے ہیں۔ اور بعض مشکل پسند نہیں ہوتے
بعض ظواہر بین ہوتے ہیں اور بعض باریک بیں۔

بقیہ حاشیہ۔ بلکہ ایک خاص طرز بیان یا طرز تحریر۔ مثلاً ایک صوفی منش جب چند صوفیانہ واقعات اور
کیفیات کی اپنے مذاق کے مطابق تشریح کرتا ہے تو اس میں وہ اپنی خاص اصطلاحات کا استعمال
کرتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ مبالغہ کر رہا ہے۔ مبالغہ اور تشبیہ میں فرق ہے۔ بعض وقت ایک
ایک شاعر ایک مفہوم بذریعہ ایک تشبیہ کے ظاہر کرتا ہے لوگ اُسے مبالغہ سمجھتے ہیں اگر ایک شاعر
بعض اوقات ایک شخص کے لئے جادو نظر یا جادو چشم استعمال کرتا ہے تو اسکا ایسا استعمال محض اس
نیت سے نہیں ہوتا۔ کہ اس شخص کی آنکھ سچ مچ ہی جادو بھری ہے۔ بلکہ اسکا ایسا اطلاق اس
اعتبار سے ہے۔ کہ اس کی آنکھ میں ایک قسم کی کشش اور جذب پایا جاتا ہے اور یہ بالکل درست ہے
کچھ شک نہیں کہ زلف و گیسو کی پُر مبالغہ دلدادگی نے اس مبالغہ کی گرم بازاری میں بہت کچھ
حصہ لیا ہے اور اکثر شاعروں کی شاعری ظلمت گیسو اور پیچیدگی زلف میں ہی رہکر نزاکت کرتے
اولجھے پڑی ہے اور سوائے اس ہائے ہو کے اس میں اور کوئی نفاست اور لطافت دکھائی
نہیں دیتی۔ مگر اس وحشت اور جنون گیسو سے اکثر شاعروں کی شاعری منزہ اور پاک صاف
بھی ہے اور اگر کہیں کہیں انکی منظومات میں بھی اس قسم کے اشارے پائے جاتے ہیں تو اسکا بہت سا
حصہ اخلاقی۔ حکیمانہ۔ صوفیانہ۔ عالمانہ بھی ہے۔ کیا یورپین شاعری اس نقص سے خالی اور منزہ و مبرا ہے۔
میں تو کہونگا کہ ایشیائی شاعری کی یوروپین ہمشیرہ بھی ان نقصوں اور اعتراضات سے بالکل خالی
نہیں صرف فرق یہ ہے کہ ہمارے ہاں نزاکت پسندی اور مبالغہ کا کوئی اور معیار ہے اور یوروپ میں

طبائع باعتبار تزکیہ اور صفائی مختلف درجے رکھتی ہیں جتنی کسی شاعر کی طبیعت مزکیٰ اور صاف ہوگی اتنی ہی اسمیں طاقتِ تصرف اور زور اخذ ہوگا وہ اپنی شاعری نکتہ چینی کی نگاہوں سے دیکھے گا اور دوسرے شاعروں پر تنقیدی نظر ڈالے گا۔ جن نگاہوں سے وہ اپنی تصویر دیکھتا ہے انہیں سے دوسروں کی تصویر بھی اسمیں ایک امتیازی روح پیدا ہوجاتی ہے وہ ہمیشہ مضامین اور کیفیات کا انتخاب بہ نظر امتیاز کرتا ہے۔ جیسے شاعروں کے درجے اور نمبر ہوتے ہیں ایسے ہی اُن کی شاعری کے درجے ہوتے ہیں۔

ہر شاعر کا مذاقِ طبیعت بادنیٰ تعمق ظاہر کرسکتا ہے کہ اسکا مقابلتاً درجہ کیا ہے ممکن ہو کہ ایک شاعر کا مذاق دوسرے شاعر کے مذاق سے مماثل ہو۔ لیکن ہو بہو اُس کا رنگ پایا جانا ذرا مشکل ہی۔ بہتوں نے اپنے مذاق طبیعت کو دوسرونکے رنگ میں لگا مگر آخر کار وہ کھل ہی گیا۔

بقیہ حاشیہ۔ کچھ اور۔ یہاں زلف وگیسوی۔ خال ودنداں و دہن تختۂ مشق رہ کر نقطہ کمال قرار پائے ہیں اور وہاں صباحت و ملاحت اور قدرتی منظر مرکزِ اوج سمجھے گئے۔

باوجود اس تاویل کے بھی میں اس اصول کا حامی ہوں کہ ہماری شاعری میں اور بہی سادگی لطافت۔ نفاست۔ اور درد و سوز ہونا چاہئے اگر کوئی مواد مغلظ ہے تو وہ باہر نکال پھینکا جاوے اگر چاور مبالغہ سے اس کی خوبصورتی حسن خداداد اپنے حقیقی مرکز سے ہٹ کر چھپ جاتی ہو۔ تو اُسے نور سادگی۔ نور لطافت سے منور بنانیکی کوشش کیجاوے۔

یوروپین شاعری کو کمالات اور دلچسپیوں کا فارسی یا اردو شاعری میں منتقل کرنا کسی بُرائی یا قباحت کا موجب نہیں ہر عمدگی اور ہر دلچسپی (خواہ اُسکا مخزن کوئی ہی ہو) اس قابل ہو کہ وہ حاصل کیجائے۔ خُذ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرَ۔

شاگرد اور اُستاد کے رنگ طبیعت یا رنگ مذاق میں کچھ نہ کچھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے مگر نہ اسقدر کہ دونوں کا طبعی رنگ بالکل ہی مفقود ہو جائے۔

شاعری کے مدارج مذاقیہ یا امتیازیہ

کوئی شخص اس خاصہ طبیعت یا مذاق ممتاز کی نفی نہیں کر سکتا۔ جو ہر ایک شخص کی طبیعت میں مُودع ہے ہر طبیعت ایک خاص مذاق یا ایک جداگانہ امتیاز رکھتی ہے۔ گو ہر طبیعت میں مختلف مذاق ہوتے ہیں لیکن اُن سب میں سے ایک مذاق بمقابلتاً خصوصیت رکھتا ہے۔ اس خاص یا ممتاز مذاق کی جو خصوصیت ہوتی ہے وہ گو کسیوقت یا کبھی کبھی تصنّع اور لطائف الحیل سے مخفی رکھی جا سکتی ہے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ اُسکا شائبہ پڑ ہی جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ ممتاز یا خاص مذاق بدل سکتا ہے اور اس میں وہ خصوصیت نہیں رہتی جس سے وہ ممتاز یا مختص ہوتا ہے۔ اُدہر واقعات مختلفہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ خاص مذاق یا رجحانِ غالب گو کہ خاص یا بعض اسباب سے دھیما یا مدہم پڑ جائے مگر کالعدم نہیں ہو سکتا اور نہ اس میں ایسی تبدیلی آسکتی ہے جس سے اُس کی خصوصیت بالکل ہی اُڑ جاوے۔

اس بحث میں سب سے اول دیکھنا یہ ہے کہ مذاق خاصہ سے مراد کیا ہے یہ ہم مانتے ہیں کہ انسان کی طبیعت چندا در مختلف مذاق بھی رکھتی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اُن سب میں سے صرف ایک ہی مذاق خصوصیت رکھتا ہے جو مذاق خصوصیت رکھتا ہی

دراصل وہ سرآمد اذواق ہوتا ہے اور دوسرے الفاظ میں یوں کہا ویگا کہ وہ عین طبیعت ہوتا ہے۔ یا یہ کہ طبیعت اُس سے ایسی خصوصیت رکھتی ہے کہ جو دوسروں سے نہیں ہوتی کتنا ہی اُسے چھپایا جائے اور کتنا ہی اُسپر پردہ ڈالا جاوے کبھی نہ کبھی وہ جھلک مارہی جاتا ہے۔ ایک حکیم کہتا ہے کہ خاص مذاق انسانی زندگی کا سہارا یا مشغلہ ہوتا ہے اور طبیعت اُسے اپنے ساتھ[1] ہی لاتی اور ساتھ ہی لیجاتی ہے۔

فلسفہ شاعری کے اعتبار سے شاعرانہ طبائع میں جسقدر مذاق پائے جاتے ہیں وہ مختلف پہلو رکھتے ہیں۔ اور انہیں مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے شاعری کے مذاقیہ یا امتیازیہ مدارج بھی ہیں اور انہیں مختلف اذواق کے لحاظ سے ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں شاعری کی تفرید اور تشعیب بھی ہوتی رہتی ہے۔

ہم مختصراً مندرجہ ذیل اقسام پیش کرتے ہیں۔

- مذاق مشکل پسند
- " سہل پسند

---

[1] یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے آیا۔

" ہم سب مذاق اپنے ساتھ ہی طبعاً لاتے ہیں یا وہ

" عوارض اور دیگر خارجی اسباب کا اثر ہیں "

یہ ایسی طویل اور پیچیدہ بحث ہے۔ جیسے فلسفہ اخلاقی میں انسانی افعال کی حسن و قبح کی بحث پیچیدہ اور مغلق ہے۔ چونکہ اس بحث کا فن شاعری سے چنداں تعلق نہیں۔ اسواسطے یہاں اسکی نسبت کچھ نہیں کہا جاتا کبھی جداگانہ یہ شق بھی لینگے۔ ۱۲

مذاق خاص پسند۔

" عام پسند۔

" باطن پسند۔

" ظاہر پسند۔

" تقید پسند۔

" آزادی پسند۔

" اصل پسند۔

" نقل پسند۔

" امن پسند۔

" جنگ پسند۔

" مدح پسند۔

" ہجو پسند۔

" فلسفیانہ۔

" صوفیانہ۔

" رندانہ۔

" عاشقانہ۔

اگرچہ مذاق کے اور مراتب بھی ہونگے۔ مگر موٹی موٹی صورتیں یہی ہیں یا اسکے قریب قریب ہیں اُن اقسام میں سے جو مذاق کسی طبیعت پر غالب ہوتا ہے اُسی زمین میں اسکی شاعری بھی ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہونگا کہ ایسی طبیعت دوسری

زمین میں شعر نہیں کہہ سکتی۔

کہہ سکتی ہی لیکن برتری اور فوقیت اُسی زمین میں رہیگی جسکا مذاق غالب ہی۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ بعض طبعیتیں مشکل پسند ہوتی ہیں اور بعض سہل پسند۔ بعض طبایعُ میں عاشقانہ مضامین کا غلبہ ہوتا ہے اور بعض میں صوفیانہ مواد کا ہجوم بعض فلسفی زمین میں مشاق ہوتے ہیں اور بعض رزم و بزم میں۔ بعض قدرتی مواد کا چربہ اُتارتی ہیں اور بعض نقل پسند بعض کے اشعار میں بالکل مایوسی اور اُداسی پائی جاتی ہے اور بعض طبائع اداسی نما واقعات میں بھی اپنا رنگ دکھا جاتی ہیں۔

بعض سلامت روی سے طبع آزمائی کی عادی ہیں اور بعض باوجود حزم و احتیاط کے بھی نکتہ چینی پر مائل بعض تقلید پسند اور بعض شیدائے آزادی ایک شاعر طبائع شاعرانہ کی نسبت مختلف شکاری جانوروں سے دیتا ہے۔ اگر ایک ہی صیدگاہ میں مختلف شکاری پرندے چھوڑے جاویں تو ہر ایک کی جھپٹ اور رُخ جداگانہ ہوگا۔

شاعروں کی تشعیب کیوں ہوگئی؟

صرف اسواسطے کہ طبائع کے مذاق میں فرق تھا۔ معمولی اور عام مذاق میں تو شاعر کی طبیعت قابو میں رہ سکتی ہی لیکن خاص مذاق کی حالت میں طبیعت خود بخود اس مرکز پر جا رہتی ہی جسپر مذاقیہ گھڑی کی سوئی قائم ہوتی ہے شاعر ہبیترا زور لگاتا ہے کہ اُس دائرہ سے نکل جاوے مگر زور مذاق طوعاً کرہاً اس خاص دائرے میں لے ہی آتا ہے۔ بیشک فردوسی اور سعدی یا حافظ اور صائب فارسی ہیں۔ غالب۔ سودا۔ میر۔ درد۔ آزاد۔ حالی۔ امیر مینائی۔ داغ۔ اقبال۔ ناظر۔ نیرنگ۔ نذیر۔

ں۔ حسرت۔ جلال۔ شاد۔ شاطر۔ اکبر۔ شوکت۔ طالب۔ ارشد۔ ناظم۔ سرور
طالب۔ مسیح۔ حبیب ہندوستان میں چیدہ شاعروں میں سے ہیں یا یہ کہ لوگوں کی
انہیں پر نظر پڑتی ہے۔ اور ہر شعبۂ شاعری میں یہ کام لے نکلتے ہیں مگر اگر غور سے دیکھو
تو شہرت انہیں بھی کسی خاص شعبہ میں ہی ہو گی۔ اُنکے کلام سے تاڑنیوالے تاڑجاتے
ہونگے کہ اُنکی طبائع کا مذاق خاص کو لسنا ہے۔

سعدی بڑا نامور شاعر اور ہمہ داں گذرا ہے لیکن فردوسی کے مقابلہ میں باعتبار
رزمیہ شاعری کے نہیں آسکتا اسیطرح فردوسی سعدی کا مقابلہ اس کی اپنی زمین میں
نہیں کرسکتا۔ امیر مینائی کے رنگ میں مرحوم داغ مشکل ہی سے بازی لیجا سکتے ہیں اور
امیر مرحوم داغ کی زمین میں ذرا جھجک کرہی قدم رکھینگے۔

ان سب نامورانِ زماں کے دواوین کو مقابلتاً سامنے رکھکر دیکھو۔

" ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است "

یہ جدا بات ہے کہ ایک شاعر طبیعت کے اعلیٰ مذاق کے خلاف دوسری
زمین میں مشق کرتا ہے اور اس میں بھی کچھ نہ کچھ درجہ اور ملکہ پیدا کرلیتا ہے۔ یہ ایک
مشق ہی جو اس بحث سے خارج ہے۔

زمانہ اور شاعری

جو کچھ ہمارے اردگرد پایا جاتا ہے یا جو کچھ ہم دیکھتے اور سنتے ہیں یہ سب زمانہ یا زمانہ
کے آثار اور مظاہر ہیں۔ ہر زمانہ میں جو جو علوم اور جو جو فنون مروج ہوتے ہیں وہ
زمانہ موجودہ کی زد یا تاثیر سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور یا یوں کہیئے کہ ایسے تمام علوم
وفنون زمانہ موجودہ کے آثار اور مداخلات سے ہی ترکیب اور ترتیب پاتے ہیں۔

ان سب علوم یا فنون میں سے موسیقی اور شاعری کا ہی ایک ایسا فن ہے جسپر موجودہ زمانہ کے آثار کا بہت کچھ یا وزری اثر ہوتا ہے۔ ان دونوں فنون کی گرم بازاری زیادہ تر زمانے کے مقتضیات پر موتوف ہے بعض وقت زمانہ کی رفتار اور زمانہ کی تقلید بڑے بڑے شاعرونکوبھی مذاق کش بنادیتی ہے۔ گو ان کا مذاق کچھ اور ہوتا ہے لیکن انہیں زمانہ کی مقتضیات کی بدولت مذاق میں تبدیلی کرنی ہی پڑتی ہے۔

کچھ شک نہیں کہ فن شاعری اور خصوصاً شاعری کا اعلیٰ زینہ یا معراج اس خاص مذاق پر بہت کچھ موتوف ہے۔ جو طبعًا ہر ایک شاعر رکھتا ہے۔ لیکن مقتضیاتِ زمانہ کا اتباع بھی بعض اوقات سخت لازمی ہوجاتا ہے اور باوجود اسکے بھی شاعر زمانہ کے رنگ میں رنگا جاکر اپنے خاص مذاق کی جھلک دے ہی جاتا ہے۔

ایک طرف شاعر طبعی مقتضیات کے مطابق اپنی فرقہ بندی کرتے ہیں اور دوسری طرف زمانہ بھی انکی جماعت بندی کرتا ہے۔ بعض اوقات شاعرونکے طبعی ازدواق بالکل مدہم اور دھیمے پڑجاتے یا زنگ خوردہ ہوجاتے ہیں کیونکہ زمانہ کی بیجا دست برد اور بیجا تحریص و ترغیب اصل جدتِ طبائع پر پردہ ڈالدیتی ہے اور اُن انوار اور اشعہ پر ایک حجاب سا آجاتا ہے جو معراج شاعری کا زینہ ہیں۔

گو زمانہ اپنے زور سے شاعرونکی جماعت بندی کرتا ہے۔ لیکن شاعر بھی اپنے مخترعات اور موجدات سے زمانہ پر بہت کچھ اثر ڈالتے اور اہل زمانہ کو ایک خاص مذاق کی طرف لیجاتے ہیں جادو بیان شاعرونکی نظموں اور شاعری نے بعض وقت زمانہ کے لوگوں اور موجودات پر ایسا وزری اثر کیا ہے کہ اہل زمانہ کی کایا پلٹ

دی ہے گو ایک شاعر زمانہ اور اہل زمانہ سے ہی سب کچھ لیتا ہے لیکن جب اسکا معاوضہ دیتا ہے تو اس خوبصورتی سے کہ دونوں میں نور اور ظلمت کی نسبت ہو جاتی ہے ایک کاریگر عام مواد سے ایک ایسی مشین تیار کرتا ہے۔ جو سب کی نظروں میں سودمند اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ یہی حال شاعر کا ہے شاعر عام واقعات خشک سانحات۔ مخفی کیفیات اور کھردرے الفاظ میں جان بخش اثر ڈالتا اور ایک ناموزوں اور بھدی صورت کا مبادلہ دلچسپی سے کرتا ہے۔ جب کبھی شاعر زمانہ کی گندی مقتضیات سے دوچار ہوتا ہے تو اسوقت باوجود نفاستِ طبع اور مذاقِ پاکیزہ کے بھی شاعری دوڑ میں ایسے ایسے ناگفتہ بہ مقامات بھی آجاتے ہیں جو کسیقدر یا بالکل مرکز تہذیب سے ہٹے ہوتے ہیں۔ بعض شاعر اس دوڑ میں جان بوجھ کر شامل ہوتے ہیں۔ اور طوعًا و کرہًا یہی خوفناک دوڑ ہے جس سے ایک قوم کے لٹریچر اور علم ادب میں گندی باتوں اور گندے خیالات کا نشو ونما یا مجموعہ ہونے لگتا ہے۔ یہی خوفناک منزل ہے۔ جو ایک قوم یا ایک ملک کے علم وادب کی راہوں میں مزاحم ہوتی اور اُسے بدنام کرتی ہے۔

یہ عمل اسواسطے بھی زیادہ ہوتا ہے کہ شاعر پسند طبیعتیں خاص خاص ہی ہوتی ہیں اور اُن خواص میں سے اکثر طبیعتیں نری شعر پسند ہوتی ہیں اور اس بات کی عادی کہ نظم یا شاعری کا اکثر حصہ انکی طبائع کے موافق ہو چونکہ شاعروں کا قرب انہیں لوگوں سے ہوتا ہے اسواسطے بعض اوقات انہیں طوعًا و کرہًا ایسے مقامات سے بھی گذرنا ہی پڑتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ انہیں کے نقش قدم پر عام شاعر بھی اُس زمین میں بہت کچھ حصہ لینے لگ جاتے ہیں جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ ناسودمند

اور بڑے مواد بہت جلد سرزمین شاعری میں نشو و نما پاتے اور نظر آنے لگ جاتے ہیں۔

ایک جنگجو بادشاہ کے زمانہ میں شاعروں کا زور نسبتاً نظم رزمیہ پر ہی زیادہ ہوجاتا ہے اور ایک عیاش سلطان کے عہد میں گل وبلبل اور زلف وخال کی تفسیر پر ہی طبع آزمائی کیجاتی ہے۔

جس قوم اور جس ملک میں آزادمنشی اور حق گوئی کا مشرب گوے سبقت لیجاتا ہے۔ اس میں شاعروں کی جماعت باعتبار اپنے اپنے مذاق کے سرزمین شاعری میں آتی اور مشق کرتی ہے یہی دَور اور یہی زمانہ شاعری کے معراج کا زمانہ اور شہرت کا زینہ ہے۔ ایسے ہی زمانے میں اصلی یا طبعی شاعری پر روشنی پڑتی ہے اور ایسے ہی زمانہ میں ایک شاعر اپنے جواہر طبیعت سے زمانہ اور اہل زمانہ پر روشنی ڈالتا ہے

شاعری اور مذاق عام

اس میں کچھ بھی شک یا کلام نہیں کہ شاعری اُن خاص الجھنوں اور پابندیوں سے آزاد ہے جس میں بعض دوسرے فنون مقید ہیں۔ شاعری ایک آزاد فن ہے اور اس میں ہمیشہ وہ مواد زیر بحث یا زیر مشق رہتے ہیں جو ایک شاعر کے زیر نظر یا زیر مشق رہ سکتے ہیں یا جن کی طرف شاعر کا خاص میلان ہوتا ہے۔

لیکن چونکہ شاعر کی طبیعت دونو پہلو لئے ہوتی ہے۔ اسواسطے خاص مذاق اور عام مذاق دونو ںکا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ خاص مذاق میں وہ تمام امور اور

تمام مراحل شامل ہیں جو شاعر کی اپنی طبیعت کے مناسب حال ہوتے ہیں یا دوسروں کی طبائع کے بالخصوص موزوں۔

عام مذاق میں وہ تمام مقاصد اور طرز داخل ہیں جو ایک عام میلان کے تابع ہوتے ہیں۔ عام میلان یا عام مذاق باعتبار تبادلہ خیالات اور عروج یا تنزل اسباب ترقی کے ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے عام میلان یا عام مذاق کی عمر کسقدر ہوتی ہے یا کہانتک اسکا قیام اور ثبات ہو سکتا ہے لیکن یہ کہا جاویگا کہ ہمیشہ اس میں کُلاًّ یا جزاً تبدیلی ہوتی رہتی ہے ایسی تبدیلی کے بواعث عموماً حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔

"تنزل یا ترقیِ تعلیم۔

"تبادلہ خیالات۔

" مشاہدات جدیدہ۔

" واقعات عجیبہ۔

" کیفیات یا حادثات نادرہ۔

تعلیم کے تنزل اور ترقی سے خیالات میں تبدیلی واقعہ ہونے لگتی ہے پرانی باتوں۔ پرانے قیاسات۔ پرانے اجتہادات میں ترمیم کیجاتی ہے۔ ترقی کی صورت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ترقی کے زمانہ میں عموماً دو جماعتیں ہو جاتی ہیں" ایک جماعت پُرانے خیالات کی حامی ہوتی ہے" اور دوسری نئے خیالات اور جدید اجتہادات کی معاونت کرتی ہے۔

دونوں جماعتوں میں مدتوں تک بحث مباحثہ اور چھیڑ چھاڑ رہتی ہے۔ ایک

ہی فن یا ایک ہی علم کے متعلق نہیں بلکہ عموماً ہر شاخ کے متعلق ایسی خلش پیدا ہو جاتی
ہے۔ تمام اجتہادات اور تمام قیاسات یہانتک کہ اصطلاحات اور محاورات
میں ہی قابل لحاظ اور قابل احساس فرق آجاتا ہے جو لوگ پُرانی روشونکے دلدادہ
اور حامی ہوتے ہیں وہ اول تو خود ہی ڈھیلے پڑجاتے اور نئی داغ بیل پرانکے
قدم خود بخود آتے جاتے ہیں اور اگر وہ اپنے جیتے جی اس مسلک پر نہیں ہی آتے
تو انکی نسل کا بہت سا حصہ نئی داغ بیل پر چلنے لگتا ہے۔ اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے
کہ پُرانی اور جدید راہیں دونوں ملجاتی ہیں یا اُنسے ایک تیسری راہ پیدا ہو جاتی
ہے اور اسپر لوگ چلنے لگتے ہیں مختلف زمانوں کی تاریخیں ظاہر اور ثابت کرتی
ہیں کہ کبھی کوئی ایک حالت قایم نہیں رہی۔ لٹریچر کی دنیا میں عظیم انقلابات آتے
رہے ہیں ایک زمانہ کا لٹریچر دوسرے زمانہ کے لٹریچر سے بہت کچھ اختلاف رکھتا ہے
اور یہ لازمی بھی ہے کہ انقلاب خیالات سے ایک عظیم گڑبڑ پیدا ہو۔

ایسے انقلابات سے سب سے پہلے عام مذاق ہی میں تبدیلی آتی ہے
عام لوگ بھی اُسے بہ چشم حال دیکھتے اور مشاہدہ کرتے ہیں یا تو عام مذاق بگڑ جاتا ہے
اور یا اس میں صلاحیت پیدا ہونے لگتی ہے۔

شاعری دونو درباروں میں رسوخ رکھتی ہے۔ دربار خاص میں ہی بادشاہوں
امیروں۔ رئیسوں کے رو برو اُسے عزت اور احترام حاصل ہے دربار عام میں
بھی اسکی آبرو اور آؤ بھگت کمال درجہ کی ہے۔ جس قوم کی حکومت نہیں رہتی جسپر
حکومتی ادبار آجاتا ہے اُسکا دربار خاص تو اُٹھ جاتا ہے لیکن دربار عام کسی نہ کسی قدر
رہجاتا ہے پہر دربار عام سے ہی دربار خاص کی کبھی نہ کبھی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ عام

لوگ ہی اس کی یادگار بنجاتے ہیں اور انہی کے نام سے اس کی یادگار باقی رہتی ہے فارسی اردو شاعری کا دربار خاص ہندوستان سے رخصت ہو چکا ہے، نہ وہ چوچلے ہیں اور نہ وہ آؤ بھگت نہ وہ اُمیدیں ہیں اور نہ وہ اُمنگیں کار از رفتہ گیا نام بھی باقی نہیں رہا اس صورت میں خاص مذاق کی تقلید میں جو حکومتوں سے وابستہ تھا، مشق کرنا اوقات ضائع کرنا ہے۔ ہاں اسکے بجائے شاعر کا اپنا ذاتی مذاق کام میں لایا جاسکتا ہے۔

اب زمانہ ہے عام دربار یا عام مذاق کا۔ اسوقت کی شاعری کا معیار عموماً عام مذاق ہونا چاہئے جب تک ہماری شاعری عام مذاق کے معیار پر پر کھی نہیں جاویگی۔ تب تک اس زمانہ میں اُسے برتری اور فوقیت یا سود مند ہونیکی سند حاصل نہیں ہوسکتی اگر لوگوں کی طبیعتیں اور دل غزل اور عاشقانہ شعروں سے بیزار ہوتے جاتے ہیں اور گل وبلبل کے قصوں سے ہٹنے لگے ہیں۔ تو شاعری کا میلان بھی اس پٹری سے دور دور رہنا زیبا ہے اگر باوجود اسکے بھی شاعر گل وبلبل کے قصوں میں الجھے رہیں تو وہ بجائے فائدہ پہونچانیکے نقصان پہنچا رہے ہیں انکی تمام محنت اور سعی رائگاں جا رہی ہے۔ لوگ جس طرز کی شاعری پسند کرتے ہیں اور جسطرح سے عشق والفت یا محبت کا نظارہ چاہتے ہیں وہی سماں دکھایا جاوے۔

نیچرل نظارے اور نیچرل شاعری میں بھی الفت ومحبت سوز ودرد کا سماں بخوبی دکھایا جاسکتا ہے یوں نہ سہی یوں سہی۔ اگر ہمارے شاعروں نے پہلے مرحلہ میں کمال حاصل کر لیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ اُس کوچہ میں رسائی نہ ہو۔ گل وبلبل

اور زلف پیچاں سے یہ مرحلہ تو قریباً آسان ہے - وہ کوچہ یا وہ سماں کسیقدر مشکل اور ادق ہے - موجودہ زمانہ کا سماں صاف اور عام پسند یا دلچسپ بھی ہے ذرا سی مشق درکار ہے - وہی لطف اور وہی سوز اسمیں بھی پیدا ہو سکتا ہے -

مولانا حالی - اکبر - اقبال - نیرنگ - اعجاز - اشہری - شاطر - ناظم - آغا - سرور - مسیح - طالب - وغیرہ وغیرہ شاعروں کی شاعری اس دلاویز رنگ سے رنگی جا رہی ہے - کیا یہ لطف اور سوز و درد سے خالی اور معرا محض ہے حاشا وکلا وہی ورد اور سوز ہی سوز رکھتی ہے - شاعری صرف جذبات کا اظہار اور سوز و درد ہی نہیں بلکہ اُس سے علمی اور عملی اغراض اور مقاصد کی تکمیل بھی مدنظر ہے - ایسی حالت میں ہمارے شاعروں کے واسطے نیا میدان مشق کے واسطے بہت ہی وسیع موزوں اور لطیف ہے - اب ہمارے واسطے جدید اجتہادات کی سخت ضرورت ہے - اور عام مذاق ساری دنیا کا اسی طرف جُھکے جاتا ہے - اسواسطے لازمی ہے کہ ہم علمی اور عملی خدمات کے واسطے ہی یہ منزل طے کریں اور جدید اجتہادات یا معلومات سے بذریعہ فن شاعری کے اپنے علمی خزانہ کو مالا مال کر دیں -

جسطرح یونانی فلسفہ موجودہ فلسفہ کے سامنے درحقیقت دھیما اور ناقص پڑگیا ہے اسی طرح پورانی شاعری یا شاعری کا پرانا مذاق بھی مدہم پڑگیا ہے - اسمیں وہ رونق نہیں رہی جو ہونی چاہیئے - اسکے پرزے ڈھیلے پڑ گئے ہیں اب انکے واسطے نئے مستم کے پیچکش کی ضرورت ہے - نئی پود نئی روحیں نیا سامان چاہتی ہیں - مکان بدلے مکانوں کا رنگ طرز بدلا - گھر بدلے گھروں کا رنگ بدلا - طرز بدلا فیشن بدلا - خو بدلی - بو بدلی - تمدن بدلا - سوشل ڈھنگ بدلا

خیالات بدلے۔ اجتہادات بدلے۔ مشاہدات میں تبدیلی آئی۔ اور قیاسات میں تغیر ہوا پر شاعری میں کیوں تبدیلی نہ آئے۔

اگر ہمارے اسلاف شاعر حافظ و ناصر۔ صائب و غنی۔ سعدی و خسرو۔ غالب و سودا بھی اس زمانہ میں ہوتے تو زمانہ کیساتھ بدل جاتے اور اسی رنگ میں مشق کرتے۔ اگر خدا نے طبیعت دی ہے۔ اور کمال حاصل ہے تو صرف رخ یا پہلو بدلنا ہے۔ حسد اور تعصب کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں بحث میں الجھن ڈالی جاوے۔ خوش قسمتی سے زمانہ نے جو داغ بیل ڈالی ہے اور جو راہ دکھائی ہے اسپر کیوں نہ چلیں جب سب پہلو بدل لئے۔ تو اسمیں کیوں عذر و تساہل ہے یہ تو نہیں کہا جاتا کہ خدانخواستہ شاعری کا نام ہی نہ لیا جاوے۔ مگر اس رنگ میں جو زمانہ کو بھاتی ہے۔ پہلی شاہ راہ اگر بدل چکی ہے اور بجائے اسکے ایک اور شاہ راہ قایم ہوئی ہے تو اسوقت وہی قابل چلنے کے ہے۔ اگر پہلی پر بدستور چلتے رہینگے۔ تو منزل مقصود سے بہت دور رہجائینگے۔

ہمارے اسلاف اور پہلوؤں نے اپنے اسلاف کی راہیں زمانہ کی تعلیم یا اجتہاد سے چھوڑی تھیں ہمیں انکی راہوں سے ہٹنا پڑیگا۔ اگر ہم خوشی سے نہیں ہٹینگے۔ تو زمانہ زور سے ہٹائیگا۔

جسطرح طبیعت موزوں شاعری کا لازمہ یا خاصہ ہے۔ اسیطرح زمانہ کی چال یا آرزو بھی ایک لازمہ یا خاصہ ہے۔ اگر اس خاصہ سے اعراض اور انحراف کیا جاتا رہا۔ تو ہماری شاعری بوسیدہ یا نکمے پرزوں کی طرح موجودہ حالت سے بھی رہجائیگی پھر اسکا زندہ کرنا مشکل ہی نہیں۔ بلکہ ناممکن ہو جاویگا اب تو اسمیں کسی نہ کسیقدر جان

یارمق پائی جاتی ہے۔ جدید عمل سے اُسکی قوت تازہ کیجاوے۔

نئے مذاق کے شایقین بھی ایک ہی پہلو نہ لئے جاویں۔ پُرانے مواد میں سے بہت کچھ مواد جدید مواد کیساتھ مل ملاکر عمدہ کام دینے کے قابل ہے۔ اُسے ہاتھ سے نہ دیں اُس سے بہ خوش اسلوبی بہ تراکیب جدیدہ کام لیں اگر یہ باقی نہ رکھا گیا تو نیا مواد یا نیا ذخیرہ کچھ بھی کام نہ دیگا۔

ہماری پوزیشن یا ہماری حالت ہی ایسی ہے کہ ہم سوائے اس جدید اور پورانے مصالحہ کے میل وجول کے کچھ کر ہی نہیں سکتے اور نہ کل جدید مواد چھوڑا اور حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ مرحلہ ہی ایسا ہے کہ کچھ وہاں سے لینا پڑے گا اور کچھ یہاں سے۔ بیشک ہم یوروپین فیشن تو لے سکتے ہیں لیکن اپنی رنگت کیسے بدل سکتے ہیں اسیطرح یوروپین خیالات کا خاکہ تو اُتار سکتے ہیں لیکن ایشیائی طبیعت اور ایشیائی خاصہ کیونکر معرض زوال میں آسکتا ہے۔ شاعری ایک ایسا فن ہے جس سے ہمارے علمی۔ اخلاقی۔ فلسفی۔ صوفیانہ شعبونکو بہت کچھ مدد ملسکتی ہے پس لازمی ہے کہ دونو طریق سے اُسکی ترقی اور حفاظت کیجاوے۔

شاعری باعتبار اعمار

شاعری یا شاعر پر جیسے زمانہ اور آثار زمانہ موثر ہیں۔ ایسے ہی اعمار یا زندگی کے مختلف مراحل کا اثر بھی مسلمہ ہے۔ جوانی کی شاعری کا کچھ اور ہی جوبن ہوتا ہے اور درمیانی عمر میں کچھ اور ہے۔ پیری اور ضعیفی میں یہ سب رنگ ویسے نہیں ہوتے بدل ضرور جاتے ہیں۔ چونکہ شاعری کا زیادہ تر مدار اور وسعت

متخیلہ پر موقوف ہے اور قوت متخیلہ میں باعتبار اوقات اعمار گونہ فرق آتا رہتا ہے۔ اسواسطے اس رنگ میں بھی کچھہ نہ کچھہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ایک نامور شاعر کی ابتدائی یا جوانی کی مشق کسی اور رنگ میں ہوگی اور عالم پیری کا سماں کچھہ اور ہی رنگ کا ہوگا جوانی یا عالم شباب میں انسان کی قوت انتخاب جس انداز اور حسن پیمانہ پر ہوتی ہے عالم پیری میں اُسکا وہ رنگ ہی نہیں رہتا۔ گل و بلبل کے قصے۔ زلف و خال کی داستانیں۔ الفت و عشق کے مشغلے۔ ہجر و وصل کے ولولے۔ جوانی کی گرم جوشیاں۔ شباب کے رنگین جنوں۔ حسن کی سرد مہریاں نزول پیری سے کافور ہو جاتی ہیں۔ نہ شام عیش میں مزا رہتا ہے۔ اور نہ صبح عیش کی اُداسی و مایوسی ہیں۔

تقاضائے عمر سے سب جوش اور سب ولولے فرو ہو جاتے ہیں۔ اگر مواد گذشتہ سے کبھی کام لیا جاتا ہے تو ویسے ہی جیسے کوئی دل چلا۔ قرض دام لیکر گھڑی دو گھڑی دل خوش کر لیتا ہے۔ بعض اچھے اچھے شاعروں کی یہ نوبت آرہتی ہے کہ بجائے نظم کے نثر پسند کرنے لگ جاتے ہیں۔ کسی حکیم نے تناسبًا یوں بھی کہا ہے۔

" جوانی میں اول ناول۔ قصے پر تاریخ پسند ہوتی ہے۔

" پھر شاعری۔

" شاعری کے بعد فلسفہ کی نوبت آتی ہے۔

" فلسفہ کے بعد مذہب پر نظر پڑتی ہے۔

" مذہبیات سے صوفیانہ مشرب۔

جب کبھی شاعری کا موازنہ کرنا ہو تو لازمی ہے کہ ان تمام حالات مدارج میں

زمانہ اور اعمار کا پیمانہ ساتھ ہی رکھا جائے۔ جب صحیح پیمانہ سے ناپا جاویگا تو نتیجہ بھی قریباً صحیح نکلے گا۔

کچھ شک نہیں کہ بعض شاعر یا بعض طبعیتیں ایسی ضابط ہوتی ہیں کہ اُنکی عمر کا ہر ایک حصہ ایک ہی مقدار یا حالت پر رہتا ہے یا تو واقعی اُنکی خلقت جداگانہ ہے اور یا یہ کہ وہ کشاں کشاں اپنے تئیں ایک ہی پیمانہ پر لے آتی ہیں لیکن حق یہ ہے کہ جیسے آفتاب کی رفتار و مبدم پتہ دیتی جاتی ہے۔ ایسے ہی آفتابِ زندگی کی رفتار اور طلوع و غروب سے بھی پتہ لگتا ہی جاتا ہے۔

ایک بڑا بالغ کتنا ہی بن سنور کر گل و بلبل کے قصے کہے۔ وہ پہین۔ وہ چلت وہ جوش۔ وہ اُمنگ ہی نہ ہوگی جو ایک خاص عمر میں ہوتی ہے۔ ہاں صرف اسقدر۔ "پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است"

ہاں اقتضاے عمر سے اُن خیالات میں ضرور صفائی اور ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جو اُس حصۂ عمر کے شایاں ہوتے ہیں۔ اور کبھی کبھی تجربہ اور دیرپا مشاہدہ بھی اُنکی صفائی اور شستگی میں کافی مدد دیتا ہے۔ نثر کی جانب شاعر بعالم پیری بعض اوقات اسواسطے بھی متوجہ ہوتا ہے۔ کہ شاعری میں جو ایک جوش اور تمکنت خاص ہوتی ہے۔ وہ بعالم پیری کم ہوتی جاتی ہے بمقابل اسکے نثر میں ایک دھیما پن

ف بعض حکیموں کی یہ راے بھی ہے کہ باوجود اقتضاے عمر کے بھی خیالات یا حدوث خیالات میں کوئی فرق نہیں آتا جیسے کہ ایک جوان کے خیالات اور حرص ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایک بڈھے اور پیر میں بھی پائی جاتی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ایک جوان بوجہ قائمی قواے کے اُن خیالات اُن اُمنگوں کی بخوبی تکمیل کرسکتا ہے اور ایک عمر رسیدہ باوجود موجودگی اُن خیالات کی تکمیل سے قاصر اور عاری رہتا ہے۔ ۱۲

اور معمولی حالت ہوتی ہے چونکہ طبیعت بھی اس زمانہ میں اسی مرکز پر آتی جاتی ہے
اسواسطے نثر پسند کیجاتی ہے۔

شاعری کے مصطلحات - ہر فن کے کچھ نہ کچھ خاص محاورات اور مصطلحات ہوتے ہیں اور اُن محاورات یا مصطلحات کی وجہ سے اُس فن کی دوسرے فن سے تمیز کیجاتی ہے۔ جب تک ان مصطلحات سے کام نہ لیا جاے۔ تب تک صحیح نتیجہ اس فن کے مقولات سے نہیں نکلتا۔ فلسفہ کے مصطلحات جدا ہیں منطق کے جدا ہیں۔ شاعری کے جدا۔ شاعری کے عام مصطلحات حسب ذیل ہوسکتے ہیں۔

(۱) متعلق بہ محاورات۔

(۲) متعلق بہ فصاحت و بلاغت۔

ان دو نو قسموں کی بابت فارسی۔ عربی میں جداگانہ رسائل یا کتابیں مدوّن ہیں۔ انکے متعلق ایسی کتابوں اور رسالوں میں یہ جتلایا گیا ہے کہ شاعر کا ایسے الفاظ یا جمل کے اطلاق سے یہ مراد ہے یا کم سے کم یہ کہ الفاظ مطلقہ کے یہ معنی ہوسکتے ہیں یا یوں اُنکا اطلاق ہوسکتا ہے اور یوں نہیں ہوسکتا۔ ان مصطلحات کے ثبوت میں مستند شعرا اور اہل زبان ناظموں کے ابیات یا فرد سند میں لائے جاتے ہیں۔ مثلاً

"آب بدست کسے ریختن"

یہ ایک اصطلاح[1] یا محاورہ ہے۔ مراد اس سے خدمت کسے کردن و

[1] فن شاعری میں جو اصطلاحات مستعمل ہیں۔ صرف شاعر ہی انکے موجد یا واضع نہیں ہیں۔ یا یہ کہ

نوکر و ملازم شخصے بودن است" بظاہر ان لفظوں کے معنی یہ نہیں ہو سکتے۔ لیکن شانِ عروض کی اصطلاح میں یہ جملہ انہیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسکے ثبوت میں سلیم شاعر کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے ؎

بیا زاہد کہ در ساغر شرابے ہست مستان را
کہ کوثر آب نتواند بدستِ تاک او ریزد

جستہ کلاغ۔ ایک محاورہ ہے۔ جس سے مراد
" ہر دو پا را جفت کردہ برزمین جستن است"، جو ایک ورزش کشتی گیروں کی ہے نجاتؔ شاعر نے اسے یوں باندھا ہے ؎

بسکہ از آتشِ اشکِ تو بدن سوزد داغ
مے جہد خال ز رخسار بتاں جستہ کلاغ

دستِ زیرِ شال۔ اس اصطلاح سے مراد
"تشخیص و قرار دادن قیمت است"، جیسے کہ ہندوستان میں خرید و فروخت اسپاں کے وقت عموماً دلال کیا کرتے ہیں۔ سعیدؔ اسے یوں ادا کرتا ہے ؎

سودا بود دلال او
دستے بزیرِ شال او

بقیہ حاشیہ۔ سب اصطلاحات انہیں کو دماغ کا نتیجہ نہیں ہیں۔ اصطلاحی فقرات یا الفاظ اور جمل عام طور پر ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں مستعمل ہوتے ہیں ماہرین فن انہیں موقع بہ موقع ایک موزونیت اور خوبی کیساتھ اپنے خیالات کے قالب میں لاکر نتیجہ خاص اخذ کرتے ہیں۔ شاعروں کی اپنی مخترعہ اصطلاحات بھی ہیں انکا اکثر حصہ یا تو فن شاعری سے مختص ہے۔ اور یا عام واقعات یا کیفیات سے ۱۲۔

اس قسم کے اور بھی ہزاروں اصطلاحات ہیں اور یہ ایک ہی زبان سے مخصوص نہیں ہیں ہر ایک ایسی زبان میں پائی جاتی ہیں جو شاعری مواد رکھتی ہے شاعری مواد پر ہی کچھ موقوف نہیں۔ ہر زبان میں انکا مجموعہ موجود ہے جو زبانیں شستہ ہیں ان میں علمی رنگ لئے ہوئے ہیں۔ اور جو زبانیں علمی دائرے سے دور ہیں ان میں یہ بھی علمی رنگ سے معرّا ہیں۔

ان مصطلحات کے علاوہ ایک قسم کے اور مصطلحات بھی ہیں۔ یہ مصطلحات خاص خاص فرق اور مشارب سے مخصوص ہیں۔ اُن میں وہ عمومیت نہیں جو عام مصطلاحات شاعری میں ہوتی ہے انہیں وہی لوگ سمجھتے ہیں جو یا تو اسی فرقہ میں شامل ہوتے ہیں۔ یا جو بالخصوص اس فرقہ کے اصطلاحات سے واقفیت اور مہارت رکھتے ہیں۔

جو لوگ بے واقفیت ایسے مصطلحات کا مطلب نکال لیتے ہیں۔ جلدبازی کرتے ہیں وہ یا تو غلط معانی سمجھتے ہیں اور یا دائرہ افراط و تفریط میں آجاتے ہیں اور ایسی زمین میں شعر کہنے والوں کی مذمت یا ہجو کرتے ہیں۔

اگرچہ ایسے شاعر بلحاظ اپنے مذاق کی عمدگی اور خوبی کے قابل عزت ہی ہوتے ہیں۔ مگر یہ غلط فہمی انہیں ایک محدود المعلومات فرقہ میں بدنام کر دیتی ہے معترضین یہ نہیں سمجھتے کہ جس سرزمین میں کوئی رہتا ہے اسپر اُسی سرزمین کی آب و ہوا موثر ہوتی ہے۔ اور وہ اُسی آب و ہوا کا دلدادہ اور مشتاق یا عادی ہے۔ اور بالخصوص جبکہ ایک شخص کا مشرب ہی ویسا ہے تو پھر بلا سمجھنے کے اسکے مصطلحات پر اعتراض کرنا کستقدر معیوب ہے۔

جو شاعر صوفی مشرب کے ہیں۔ یا جو صوفی شاعر ہیں۔ اُنکے کلام میں شاعری کا اکثر حصہ اُن خاص مصطلحات سے مملو ہے۔ جو صوفی مشرب میں مستعمل اور مروج ہیں ایک عام شاعر یا ایک عام شخص اُن اصطلاحات سے سوا اسکے اور کوئی مطلب نہیں نکال سکتا۔ کہ اُنکے لفظی معانی پر حاوی ہو سکے۔

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ مذاق غالب ہمیشہ غالب ہوتا ہے۔ چونکہ ایسے لوگوں پر مذاق صوفیانہ غالب ہوتا ہے۔ اسواسطے انکی شاعری یا انکی نظم ہمیشہ صوفیانہ مصطلحات میں رنگی ہوتی ہے اُنکے اشعار یا دواوین میں جب زلف وخال اور گل وبلبل کا ذکر آتا ہے تو لوگ معترض ہوتے ہیں اور اُنکے کلام کو نعوذ باللہ مخرب اخلاق اور نامہذب سمجھتے ہیں۔

ہاں یہ اعتراض اگر اس طرز سے ہوتا کہ صوفیائے کرام نے ایسی گندی اصطلاحات کیوں رکھی ہیں تو شاید کسیقدر قابل التفات بھی ہوتا۔ یہ کہنا کہ اس مشرب کے لوگ اپنی اصطلاحات میں کیوں کہتے ہیں۔ ایک فضول اعتراض ہے جو شخص کسی مشرب کا پابند ہے وہ اسکی اصطلاحات کا بھی تابع اور پابند ہوگا۔

صوفیانہ مشرب میں بعض اوقات ان اصطلاحات اور اُن رموز سے کام لیا جاتا ہے۔ جو بادی النظر میں مکروہ معلوم ہوتی ہیں۔ مگر انکے اندرونہ میں بتقاضائے مشرب کوئی مکروہیت اور بُرائی نہیں ہوتی۔ چونکہ ایک صاحب مشرب عام اس سے کہ وہ مشرب دوسروں کی نگاہ میں کیسا ہی ناقابل التفات ہو۔ اس مشرب کا دیوانہ ہوتا ہے اسواسطے جو کچھ وہ اس مشرب کی لَے یا دُھن میں کہتا ہے بُری نگاہوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ بشرطیکہ عام اخلاق کے اعتبار سے

بھی اس میں کوئی ناسودمندی اور برائی نہو۔

ایک صوفی مشرب کا یہ قطعہ ہے۔ ۵

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن ‌‌ ‌ دل بدستِ دگرے دادن وحیراں بودن

سوے زلفش نظرے کردن ورویش دیدن ‌ ‌ گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

اگر عرفی معنوں میں کافر اور زلف کے معنی لئے جاویں تو معاملہ بدور خواہد رسید صوفی مشرب کا شارح اس کی تشریح یوں کریگا۔

"درمحاورۂ اہل تصوف کافر آں راگویند کہ یکرنگی و یگانگی درعالم وحدت اختیار کردہ باشد و تمامی روے دل از ما سوائے برتافتہ باشد"

"وزلف اسرار الٰہی راگویند کہ حصول آں بجز سوختانیدن از آتش عشق بااسرار نیاید۔

اسیطرح اکثر صوفیہ گل و بلبل سے مکالمہ روح و دل مرادلیتے ہیں۔ ؎

ایک پاک طینت صوفی منش شاعرگو عاشقی۔ دیوانگی کے پیرایہ میں عاشق ومعشوق کی داستان۔ دردوسوز سے بیان کرتا خوذ روتا اور دوسروں کو رلاتا ہے لیکن

۵ یہ سوال کیا جاویگا کہ کیوں صوفیاے کرام نے ایسی مشتبہ راہیں اختیار کی ہیں۔ جواب اسکا یہ ہوسکتا ہے کہ۔

"کیا مشرب صوفیہ سہل ہی یا دقت طلب۔

"کیا اس میں عام طبائع حصہ لے سکتی ہیں۔

"کیا اسکے اغراض عامیانہ ہیں۔

"کیا وہ تماثیل سے فہم کے قابل نہیں۔

اسکے ایسے بیان سے یہ گمان کرنا کہ وہ ایک گندے طریق یا گندے پیرایہ سے لوگوں کے اخلاق پر برُا اثر ڈالتا ہی - ایک شرمناک بدظنی ہے - حافظ علیہ الرحمۃ اور خسرو کی نسبت اکثر لوگ یہ طعن کرتے ہیں کہ انکا کلام بدی یا بدنمائی سے خالی نہیں - یہ ایک مسامحت ہے - یہ بزرگان دین یا بزرگان قوم باعتبار اپنے زہد اور اتقاء کے مشہور ہیں - انپر یہ اتہام ایمانداری اور تہذیب کے خلاف ہے - شاعری زمین میں گو اُنکے قلم اور زبان سے عشق آمیز کلام نکلا ہو لیکن انکی تمام زندگی جس پیرایہ میں گذری ہی وہ طعن کے قابل نہیں اور اگر یہ مان بھی لیا جاے کہ انکی زندگی کا فلاں حصہ لعوبات دنیوی میں بھی گذرا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ خدانخواستہ ان لوگوں کی ایسی نظموں سے یہ کمینہ غرض تہی کہ اپنے ابناے جنس کے اخلاق پر کوئی برُا اور بدنما اثر ڈالیں - اگر بعض لوگ غلطی سے ایسا سمجھتے ہیں تو یہ خود انکا اپنا قصور ہے متکلم کلام کا ذمہ وار ہے نہ اسکا کہ لوگوں کی رائیں اور خیالات بھی صحیح معانی پر لائے -

---

بقیہ حاشیہ - ,, کیا اسسے اعراض عام الفاظ میں آسکتے ہیں -

اگر یہ جمسہ صوفی مشرب میں پایا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ صوفی مشرب میں خاص اصطلاحات سے کام نہ لیا جاوے صوفیہ پر کیا موقوف ہے - ہر فن میں اپنے اپنے خاص اصطلاحات سے کام لیا جاتا ہے - منطق - فلسفہ - کمسٹری وغیرہ فنون میں بہت مطالب اصطلاحات خاصہ میں ہی بیان ہوتے ہیں - صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ صوفیانہ مشرب میں اصطلاحات کا رجحان کسی نہ کسیقدر عشق و محبت کی جانب ہوتا ہے اور دیگر فنون میں سادہ یا جبتک صوفیانہ مشرب میں ایک ذات سے تعلق اور واسطہ ظاہر کیا جاتا ہے اور بصورت اظہار کسی تعلق اور رشتہ کے اُسے ایک خاص صورت یا نقشہ میں بیان کرنا مطلب ہوتا ہے اور وہ صورت محبت اور عشق سے زیادہ تر مقرون ہی - جیسے جب کوئی غریب

بہت سے پاکیزہ طینت شاعر ایسے بھی ہیں جو دنیا کے اونچ پیچ اور مکروہات سے بالکل ہی ناآشنا ہیں۔ لیکن اُنکے کلام میں ایسا مواد پایا ضرور جاتا ہے ایک تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ نور العین واقف علیہ الرحمۃ بٹالوی ایک روز بازار میں سے ہو کر جمعہ پڑھنے مسجد کلاں میں جارہے تھے۔ راہ میں چند طوائف سرِ بازار کھلے منہ گذرتی دیکھیں۔ شاگرد سے باہستگی پوچھا۔

"یہ کس کی بیحجاب لڑکیاں ہیں جو کھلے مُنہ بازار میں سے جاتی ہیں۔

شاگرد حاضر جواب نے بادب عرض کیا۔

"حضرت قبلہ وکعبہ یہ وہی لولیان زمن تو ہیں۔ جنکا ذکر خیر بعض اشعار حضور میں آیا ہے"

حضرت واقف اپنے اس مبلغ واقفیت سے ناواقفیت محسوس کر کے کچھ حیران سے رہگئے۔

بعض وقت یہ قرار دینے میں بڑی غلطی کیجاتی ہے۔

"کہ جس شاعر یا جس ناظم کی کوئی تصنیف یا کوئی نظم ہمارے مطالعہ میں ہے اسکا مشرب یا رویہ کیسا پایا گیا ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ اور مفلوک شخص کسی امیر یا طاقتور سے کوئی درخواست اور التجا لیجاتا ہے تو اپنے تئیں بہ نسبت غربت اور اُسے بہ نسبت امارت ظاہر کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے میں آپ کا غلام اور آپ مائی باپ ہیں۔ کبھی یہ کہ آپ بادشاہ ہیں اور میں ایک غلام زرخریدہ۔ اسیطرح صوفیہ بھی بمقابلہ ذات احدیت طرح طرح کی مشربانہ اصطلاحات سے کام لیتے ہیں۔ جب ایک انسان کے دل میں ایک خاص لے ہوتی ہے۔ خصوص الفت کے لئے تو وہ اپنے اغراض یا مدعا کا اظہار بہ لطائف الحیل

جن شاعروں کی نظم اور شاعری میں ہم گل وبلبل زلف و خال کے قصے اور مضامین پاتے ہیں۔ انکی نسبت یہ قرار دینے میں بالکل تامل اور خوف نہیں کرتے کہ خدانخواستہ انکا چال چلن مخدوش اور غیر مہذب تھا۔

صرف اس دلیل سے کہ انکے کلام میں اس قسم کے مضامین پائے جاتے ہیں انکا مطعون کرنا ایک بزدلانہ دلیل ہے۔

کیا جو مغربی ناول ہمیشہ ہمارے میزوں پر پڑے رہتے ہیں۔ اور جنکا مطالعہ ہمارے لئے آجکل ایک فیشن اور زیب وقت ہے۔ اُن میں عشق اور الفت کے قصے اور داستانیں نہیں ہوتیں۔ کیا ناول خوانوں کے نزدیک یوروپ کے سب ناول نویس پایۂ پاکیزگی اور شرافت سے گرے ہوتے ہیں۔ کیا وہ بھی بدقسمت شاعران سیاہ رنگ کی طرح عموماً متہم کئے اور کوسے جاتے ہیں۔

یا یہ کہ کل یورپ کے ناول نویس خدانخواستہ اپنے ناولوں کی وجہ سے بدروش قرار دئے جا سکتے ہیں۔ اگر یہی معیار صداقت ہے تو اس الزام سے یورپ کا کوئی ناول نویس کوئی ڈراما نویس بھی بچ نہیں سکتا اور نہ انہیں کوئی بچا ہی ہو سکتا ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ کرتا ہے اور اُن راہوں سے گذرتا ہے جو اسکے درد اور سوز میں ایک جوش اور ایک اشتعال پیدا کرتے ہیں۔ لوگ یہ تو آسان سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کے دل میں ایک ہمجنس کا عشق اور الفت پیدا ہو سکتی ہے لیکن ذات احدیت کے مقابلہ میں کسی درد اور سوز یا رشتہ طلب کا پیدا ہونا مشکل ہے یہ ایک غلطی اور نقص فہم ہے کشش الفت ہر ادمی میں موجود ہے۔ الفت صرف ایک لگاؤ کا نام ہے۔ لگاؤ ہر ذات سے ہو سکتا ہے۔ یا الفت ایک جنون ہے اور جنون کی

درد اور سوز ایک خدا داد جوہر یا خاصہ ہے۔ جو شاعر اس سے متصف ہیں انکی شاعری میں باوجود ان کی پاکیزہ روشنی اور پاک باطنی کے بھی اسکا اثر اور اعلان پایا جاویگا اور یہ قرار دینا کہ الفت اور عشق یا درد و سوز ہمیشہ منہیات یا مکروہات کا ہی نتیجہ ہوتا ہے - ایک سخت کم فہمی یا سوئے فہمی ہے الفت اور عشق و درد و سوز سے مکروہات یا منہیات کا منسوب کرنا عشق و والفت کے مفہوم سے بیخبر ہونیکی دلیل ہے -

بیشک ایسے شاعر بھی ہونگے یا ہوتے ہیں جو ملعوبات یا مکروہات میں گرفتار ہوکر شعر کہتے ہیں اور اُنکے گلدستۂ اشعار میں ایک گندی بو ہوتی ہے لیکن اُنپر ہی تمام شاعروں کا قیاس کر لینا ایک چھچھورپن اور جلد بازی ہی ہے۔

"فکر ہر کس بقدر ہمّت اوست"

بقیہ حاشیہ - واسطے کوئی خاص شرط نہیں لگائی جاسکتی - مادّیات سے بھی جنون اور لگاؤ ہو سکتا ہے روحانیات سے بھی یہ بحث جدا ہے ایسا لگاؤ جو روحانیات سے ہوتا ہے - کہانتک صداقت رکھتا ہے - لیکن اس سے بوجوہ انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسی کشش اور ایسا لگاؤ ہونا ضروری ہے - صوفیوں اور شاعروں میں ہی نہیں بلکہ ایک صادق فلسفی میں بھی اسکا اثر پایا جاتا ہے - جب ایک عمیق النظر فلسفی خدائی مناظر پر نظر کرتا اور اُنکا اپنی زبان میں اعلان یا ستائش کرتا ہے تو وہ بھی محبت اور درد و سوز سے خالی نہیں ہوتی - اس میں بھی ایک کشش اور ایک جذب یا ایک سوز پایا جاتا ہے - وہ بھی انواع انواع کی تمثیلوں اور نسبتوں سے اپنا جذبہ اور اپنا جوش ظاہر کرتے ہیں اُن میں بھی وہی آہ وزاری موجود ہوتی ہے جو صوفیائے کرام یا شاعران عظام میں پائی جاتی ہے - ہاں طرز بیان یا طرز استدلال میں ضرور کسیقدر فرق ہوتا ہے -

جب ہم اچھے اور نامور شاعروں کی منظومات یا اشعار میں کہیں کہیں لفت وعشق کے قصے اور آہ وزاری پاتے ہیں۔ تو اُن اخلاقی بندوں اور اخلاقی اشعار سے بھی بدظن اور روگرداں ہوجاتے ہیں۔ جو انہیں شاعروں کی تصنیفات میں کوڑیوں موجود ہیں۔ یہی طرز عمل ہمیں اپنے قومی اور ملکی شاعروں سے آئے دن روگرداں اور بدظن کرتا ہے۔ یہی روش ہمارے شاعری کی تخریب اور تذلیل کی عملی دلیل ہے

کوئی دیوان اور کوئی نظم کسی اچھے اور پاکیزہ خیال شاعر کی لیلو۔ اگر اس میں عشق وحسن کے قصے ہیں تو اخلاقی رموز بھی کم نہیں ہیں۔ یہ جدا بات ہے کہ ہم سارا مواد عاشقانہ ہی سمجھیں۔ رسالہ مخزن ۱۹۰۱ء کی جلد نمبر ایک میں تین غزلیں مسٹر اقبال۔ اعجاز۔ اور مسٹر نیرنگ کی متقابلتاً ایک ہی زمین میں نکلی ہیں۔ ان غزلوں کے بعض بندوں میں تینوں شاعر بیدلی۔ شمع۔ تربت۔ وگل وبلبل۔ قفس۔ بوستاں۔ ساقی عشق۔ دل عاشق۔ حلاوت۔ محبت۔ دلنوازی۔ جانبازی۔ زاہد۔ حسن۔ حور وغلماں۔ فغاں۔ مسجد۔ کوئے بتاں۔ متاع حسن۔ قمار۔ لیلی۔

بقیہ حاشیہ۔ اور یہ فرق اسباب کی دلیل نہیں ہے کہ فلاسفروں یا حکیموں میں یہ کشش یا یہ جذب موجود نہیں ہے۔ ایک پاکیزہ سرشت فلاسفر جب خدائے لم یزل کی بارگاہ عالی میں سر جھکا کر دعا اور التجا کرتا ہے اُسوقت اسکے الفاظ۔ اسکے فقرات۔ اسکا استدلال اپنے اندرونی درد سوز اور جوش کیوجہ سے دونپر ایک جنبش لاتا اور روحیں لرزا دیتا ہے۔ ؎

اے بہ بزم شوقِ تو نالاں بہرسو سازہا | رفتہ در ہر گوشۂ زاں سازہا آوازہا
رازہا یت را بسے گفتند سرمستانِ عشق | ہمچناں ہستند لیکن سربہ مہر آں رازہا

قیس - نالۂ بلبل - منقار - وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ لائے ہیں جو پرانے شاعروں
کی نظموں میں بھی پائے جاتے ہیں - اگر ہم صرف ان الفاظ کی وجہ سے ان نادر
غزلوں کی عمدگی - دلچسپی - نفاست - اثر - بندش - جذب سے انکار کریں تو ایک
سخت خود غرضی ہوگی -

ہم ان تینوں غزلوں میں سے تین تین شعر یہاں نقل کرتے اور دکھاتے
ہیں کہ ہر ایک شاعر کی طبیعت کا زور بیان کہاں تک پہونچا ہے -

اعجاز

گلستانی ترے کوچہ کی چشم گلستاں تک ہے ۔۔۔ یہ شہرت حسن کی اس عشق رسوائی نشاں تک ہے
کہے بن ہم دلوں کی بات کیونکر جان لیتے ہو ۔۔۔ کشود کار یہ کیونکر رقیب بے زباں تک ہے
یہ اپنی اپنی ہمت ہے تعرض کیوں خصومت کیوں ۔۔۔ کسی کی دوڑ مسجد تک مری کوئے بتاں تک ہے

اقبال

کہوں کیا آرزوئے بیدلی مجھکو کہاں تک ہے ۔۔۔ مرے بازار کی رونق ہی سودائے زیاں تک ہے
نہ سیکھی تو نے مرغ رنگ گل سے رمز آزادی ۔۔۔ یہ قید بوستاں بلبل خیال آشیاں تک ہے
میں خار خشک پہلو شعلۂ گلخن کی قابل ہوں ۔۔۔ پڑے رہنا مرا گلشن میں رحم باغباں تک ہے

نیرنگ

فریب آرزو نیرنگ تاثیر فغاں تک ہے ۔۔۔ طلسم اعتبار عہد پیمان بتاں تک ہے

دلِ عاشق سے پوچھو عشق کی تلخی کے چٹخارے
کہ زہر آب محبت کی حلاوت کام جاں تک ہے

تم اپنی دلنوازی کی بہت احساں جتاتے ہو
ذرا یہ بھی تو دیکھو میری جانبازی کہاں تک ہے

پرچہ نمبر ۵ - اُردوی معلّی جلد نمبر ۲ میں حضرت حسرت موہانی کی ایک غزل چھپی ہے اس میں سے بھی تین شعر درج کئے جاتے ہیں ۔ ؎

چہرۂ یار سے نقاب اُٹھا
دل سے اِک شورِ اضطراب اُٹھا

تھے اسی پر نباہ کے دعوے
سر تو اے شوخ بے حجاب اُٹھا

میکشوں سے نہ محتسب کی چلی
آخر کار لا جواب اُٹھا

مسٹر عبدالرحمن شاطر مدراسی قصیدۂ اعجاز عشق میں جو بڑے زور اور کمال لطافت سے لکھا گیا ہے کہتے ہیں ؎

قبلۂ دل عشق ہی اور کعبۂ جان عشق ہے
ہم اُسی کو سجدہ کرتے ہیں نہان و آشکار

دل وہ مقناطیس ہی زائل نہو جسکی کشش
زلزلے گو جسم کی کشور میں آئیں بے شمار

کُشتگانِ عشق کو برزخ ہی زندانِ عذاب
زندگی کہتے ہیں جسکو موت ہی کا ہی انتظار

ہم کبھی کرتے تھے رم صیاد اب تیرے دام میں
خود چلا آتا ہے لڑکا لے ہوئے گردن شکار

جان جان روح رواں ایمان ایمان عشق ہی
جی فدا جان اُسپہ قرباں دین و دل اُس پر نثار

مولانا حالی کا دیوان بھی (جو نئی شاعری کا بنیادی پتھر رکھنے والے ہیں) ایسے الفاظ سے معرّا یا خالی نہ رہا۔ یہ ہم تسلیم کر لینگے۔ کہ بعض دواوین اور منظومات میں اس قسم کے الفاظ یا استعارات سے بکثرت کام لیا گیا ہے۔ اور وہ از

ازسرتاپا خواہ مخواہ ہی حسن وعشق کے قصوں اور مکروہات میں ڈوبے ہوئے ہیں
اور ایسا عمل واقعی اس زمانہ میں تعریف کے قابل نہیں سمجھا جاتا اور اسکی
اصلاح ضروری ہے۔ لیکن ہمارا سرے سے ہی تمام ایشیائی شاعری کو بدنام کرنا
اور ناقابل خطاب سمجھنا ایک سخت فروگذاشت ہے۔ اگر سعدی۔ واقف۔ صائب
حزیں۔ خسرو۔ غالب۔ سودا۔ آتش۔ ناسخ۔ امیر۔ داغ۔ ارشد۔ اقبال۔ نیر نگ
اکبر۔ ریاض۔ طالب بنارسی۔ مسیح۔ سرور جہان آبادی۔ گہر۔ حسرت۔ جلال۔ شاد۔
شاطر وغیرہ کے کارناموں میں کہیں کہیں ایسی ابیات یا نظمیں بھی پائی جاتی ہیں تو
اسوجہ سے ان بزرگان قوم کے تمام کلام ہی قابل سرزنش نہیں ہوسکتے۔ اُن
کے کلام کے وہ نادر حصے جو اخلاقی۔ فلسفی۔ حکیمانہ۔ صوفیانہ ہیں نظرانداز کرنا
ایک سخت کفران نعمت ہے۔ بعض اوقات شاعر حسن وعشق الفت ومحبت
کے استعارات کے لانیمیں مجبور ہوجاتا ہے اور اُسے سوائے اسکے کوئی چارہ
نہیں رہتا کہ اپنی زمین میں مشق اور طبع آزمائی کرے۔ مثلاً ایک شاعر ایک عاشقانہ
سرگذشت لکھ رہا ہے کیا ایسی حالت میں وہ محض فلسفیانہ الفاظ یا استعارات
سے کام لے سکتا ہے یا ایسے استعارات سے کام نکلسکتا ہے۔ فردوسی شاہنامہ
میں اگر استعارات حسن وعشق سے کام لیتا اور اصطلاحات رزمیہ چھوڑ دیتا
تو اسکے کلام میں خاک بھی لطف اور زور نہ رہتا۔ اگر خسرو اپنی تصنیفات
عشقیہ میں شاہنامہ کی اصطلاحات یا استعارات اور تشبیہات استعمال کرتا
تو انہیں کون پڑہتا۔

"ہر ملکے وہر رسمے"

جس زمین میں کوئی لکھیگا۔ اسی سرزمین کے استعارات بھی استعمال کریگا۔ شاعر صرف ایشیائی حصوں میں ہی الفت وعشق کے قصّے لکھنے کے عادی نہیں ہیں یورپ میں بھی لوگ اسکے مشتاق ہیں۔

ڈراما نویس شاعر جن کی یوروپ میں ایک خاص شہرت اور قدر ہے۔ وہ کبھی ایسی اصطلاحات یا استعارات سے بچ سکتے ہیں۔ یا کوئی ڈراما سوائے ان قصوں اور درد و سوز کے دلچسپ اور مؤثر ہو سکتا ہے۔ لوگ ہر شب تھیٹروں میں جاتے ہیں اور شوق سے از سر شام تا صبح منڈوی میں بیٹھے رہتے ہیں وہاں عملی طور پر وہی راگ سنتے ہیں جو ایشیائی دیوانوں میں خلاصتاً ہوتا ہے۔ صرف طرز بیان یا طرز استدلال میں فرق ہے۔

ڈراما کے متعلق اب تو یہ تھیوری ہی تسلیم کیجاتی ہے کہ مذاق ڈراما سے سوسائٹی کے عیوب کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ایک عملی نظارہ سے انسان کے دل پر ضرور نیک اثر پڑتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ کل سامعین یا ناظرین کے دلوں پر یکساں ہی اثر پڑتا ہے درست نہیں ہے۔ یہ بھی بہت کچھ طبائع پر موقوف ہے بعض لوگ ایسے عملی نظائر سے تمام عمر کے لئے خراب ہو جاتے ہیں اور بجائے واقعی اصلاح کے اُن میں ابتری پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اس سے ایک عملی سبق حاصل کرتے ہیں۔

باوجود ان سب باتوں کے ہمارے قومی اور ملکی شاعروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی جز ورس طبائع سے اس سرزمین شعر میں مشق کریں۔ جو اخلاقی اور قدرتی واقعات رکھتی ہو جسنے لوگوں کے خیالات میں ایک پاکیزگی شستگی۔ نفاست

لطافت۔ نیکی۔ عمدگی۔ جوش صادق سوز حقیقی پیدا ہو۔ وہ نظمیں اور وہ اشعار کُن جننے ہماری بُری تحریکات۔ بُرے جذبات تحریک اور جوش میں نہ آویں۔

شاعری کے اوّلیات

ہر فن کے کچھ نہ کچھ اولیات ہوتے ہیں۔ اولیات سے وہ مقدمات یا ابتدائی مراحل مراد ہیں جنپر کسی نہ کسی طریق سے اُس فن کی ترتیب اور ترکیب کا مدار ہوتا ہے یا جن مراتب سے وہ فن مربوط اور قرین سمجھا جاتا ہے۔ کوئی سے فن کو لیلو اسکے کچھ نہ کچھ اولیات ضرور ہونگے۔

ہر فن کے اولیات دو قسم پر ہو سکتے ہیں۔

(۱) ذہنی (۲) فرضی

ذہنی اولیات سے وہ اولیّات مُراد ہیں۔ جو خالصًا ذہن سے وابستہ ہیں ذہن ہی سے اُٹھتے اور ذہن سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ذہن ہی اُنکا مخرج ہوتا ہے اور ذہن ہی سے وہ نکلتے اور نشو و نما پاتے ہیں۔ بمقابلہ دوسری قسم کی اولیات کے ہر فن کی اعلیٰ خوبی کا مدار ذہنی اولیات پر ہی ہوتا ہے۔ بالخصوص وہ فنون جنکا زیادہ تر واسطہ خیالات اور اعتبارات سے ہی۔

مصوری موسیقی اور شاعری کے ذہنی اولیّات نسبتًا اور فنون سے زیادہ تر نازک اور مؤثر ہوتے ہیں۔ اور ان فنون کی اصلی خوبی اور حسنات کا انحصار زیادہ تر ذہنیات پر ہی ہے۔ ذہنی اولیات کیا ہیں۔

علوِ خیال۔ علوِ جذبہ۔ خفائے جذبہ۔ درد۔ سوز۔ محبّت۔ الفت۔ رقّت

قدرت مناسبت۔ طاقت انتخاب سلیم۔ نازک دماغی جس مصور اور جس موسیقی
داں اور جس شاعر کی طبیعت میں پیدا نہوں۔ اس کی مصوری موسیقی دانی
اور شاعری بوسیدہ اور پھیکی ہوتی ہے۔ تصویر کشی صرف اسی کا نام نہیں کہ ایک
ڈھانچہ اتار لیا جائے۔ موسیقی دانی صرف یہی نہیں کہ ہا ہو کر لی جائے۔ شاعری
صرف یہی نہیں کہ چند الفاظ کسی خاص وزن پر اکھٹے کر لئے جائیں وہ کچھ اور ہی
رمز ہے جس سے ان ہر سہ فنون میں جادو کی تاثیر پیدا ہوتی ہے وہ کچھ اور ہی
رنگ ہے جس سے ان میں ایک تازہ جان پڑتی ہے۔ بیسیوں مصور۔ سینکڑوں
موسیقی داں اور ہزاروں شاعر ہیں مگر ان میں سے چند ہی ایسے مصور۔
ایسے موسیقی داں اور ایسے شاعر ہونگے جن کی تصویر۔ راگ اور شعر میں ایک
خاص جذب اور خاص اثر ہوگا۔

کسی فن کا کسی خاص اعتبار سے حاصل کرنا کچھ اور معنی یا اور صورت رکھتا ہے
لیکن اسکا مذاقی[1] لحاظ سے حاصل ہونا کچھ اور صورت ہے۔ بہت سے ایسے
مصور ہیں جو محض باعتبار کسی فن کی تصویر کش ہیں۔ لیکن اُن میں وہ مذاق اور وہ

---

[1] مذاق اور کسب میں فرق ہے۔ ہر کسب ماتحت قوائے طبعی یا قوائے ذہنی کے حاصل کیا اور
باعتبار اس کسب کے اصول اور قواعد کی تکمیل بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی کسب یا فن کے حاصل کر لینے
سے مذاق میں وہ جودت اور وہ نفاست پیدا نہیں ہو سکتی جو قدرت کی جانب سے ایک طبیعت
میں موجود ہوتی ہے۔ جو طبیعت تفریح پسند نہیں واقع ہوتی وہ ہمیشہ تنگ و ترش ہی نہیں رہتے
لیکن تاہم اسمیں اور بنس مکھ انسان میں ایک بیّن فرق ہوتا ہے۔ با مذاق طبیعت وہ فن جس سے
اُسے طبعاً ایک لگاؤ ہوتا ہے خوش اسلوبی سے حاصل کرتی اور ایک عمدگی سے نباہتی ہے

ولولہ موجود نہیں۔ جو ایک با مذاق مصوّر میں ہونا چاہئے۔ اسی طرح اکثر موسیقی وا لے یا گویّے اور اکثر شاعر کسبی اعتبارات سے اچھے گویّے یا اچھے شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن با ایں ہمہ انکے راگ یا سُر اور شعر میں وہ لطافت وہ نفاست وہ جذبہ نہیں ہے۔ جو مذاقی گویّوں یا مذاقی شاعروں میں ہوتا ہے۔

ہر فن کے استخراجات اور مدخلات میں دو حالتیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) "آمد" (۲) "اورد"

ان دونوں حالتوں میں فرق ہی۔ گو آورد کا مضمون وہی ہوتا ہے جو آمد میں بیان ہوتا ہے۔ لیکن آمد کے مضمون میں جو اثر جو جذبہ جو نفاست اور جو کشش ہوتی ہی۔ وہ آورد میں کشاں کشاں لائی جاتی یا پیدا کیجاتی ہے۔ دونوں سوار ایک ہی منزل پر آتے ہیں۔ اور دونوں پہونچ بھی جاتے ہیں۔ لیکن ایک سبک رفتاری اور خوش خرامی سے فائز منزل ہوتا ہے اور دوسرا گو منزل پر پہونچ جاتا ہے۔ مگر اُفتاں وخیزاں۔

بقیہ حاشیہ۔ لیکن محض کسبی طور پر جو شخص کچھ سیکھتا اور کمال حاصل کرتا ہے وہ مشکل سے بنا رہتا ہی۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسرے علوم اور فنون میں ایک ملکۂ تام اور مہارت عام رکھتے ہیں۔ لیکن شعر فہمی و شعر گوئی سے انکی طبیعت اُکتاتی اور ٹھوکر کھاتی ہے۔ اور بہت سے ایسے ہیں جو دوسرے علوم اور فنون میں کم ملکہ رکھتے ہیں لیکن شعر گوئی میں انہیں ایک خاص شہرت اور خاص فضیلت حاصل ہی۔ ایسے شاعروں کی یہ خصوصیت محض کسبی قواعد اور اصولوں کے تابع نہیں ہوتی بلکہ اسکا اصلی حصہ اور اصلی مجموعہ طبعی مذاق اور طبعی ذخیرہ اور خصوصیتوں سے وابستہ ہوتا ہی۔ وہ جھلک اور وہ شعاع جو طبیعت میں ہوتی ہی اس رنگ میں بھی جلوہ نما ہو جاتی ہے۔ ۱۲

مضمون آمد کی سامعین کے دلونپر زدلگتی ہو۔ اور سامعین اُسی طرف کشاں کشاں کھنچے جاتے ہیں خلاف اسکے مضمون آورد خود سامعین کی جانب کشاں کشاں جاتا اور طوعاً کرہاً انہیں اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ درجن شعروں میں آمد کے ایک دو شعر ہی کہہ دیتے ہیں کہ انکا دوسرا حصہ محض بھرتی اور آورد ہے۔ آورد کن طبائع کا خاصہ ہے۔ جن میں در اصل شاعری کا مذاق طبعی نہیں ہوتا محض کسبی شاعر یا کسبی ناظم ہوتے ہیں۔ عروض و قوافی کی کتابیں پڑھ پڑھ بہ پابندی اصول اور قواعد شعری کے شاعر بنجاتے ہیں۔ ورنہ انکی طبیعتیں شاعری سے کوئی بھی نسبت نہیں رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے شاعر باوجود واقفیت فن شاعری کے قواعد اور ضوابط کے بھی شاعری میں وہ کمال اور وہ شہرت یا وہ اثر حاصل نہیں کرتے جو طبعی شاعروں کے حصہ میں آجاتا ہے اُسکے شعر۔ انکی بیتیں، انکی نظمیں زبان حال سے کہدیتی ہیں کہ انکی ترکیب اور انکی بندش محض مرتبہ قواعد کے تابع ہے۔ حسن طبیعت کا اسمیں کوئی دخل یا کوئی حصہ نہیں ہے۔

ذہنی اولیات کسب کی محتاج نہیں ہیں۔ یہ وہبی اور قدرتی ہیں۔ البتہ بعض مقررہ اصولوں اور قواعد سے اُن میں صفائی اور جلا آسکتی ہے مگر سرے سے انکا ایسے فرضی قواعد کے تابع ہونا ناممکن ہے۔ ہر طبیعت دیگر اجسام مساوی کی طرح لاتعداد ذرات سے مرکب ہے۔ اور مجموعہ ذرات کے جداگانہ اجزاے کبیرہ جداگانہ حصے جداگانہ خاصیتوں سے موسوم ہیں۔ اور انہیں خاصیتوں کا دوسرا نام طبعی مذاق یا طبعی میلان بھی ہے۔

فرضی ادبیات وہ ہیں جو چند مفروضہ اصولوں اور اعتباری قواعد کے تابع ہوتے ہیں ان میں زیادہ حصہ بحث اوزان اور بحور یا ردیف اور قوافی وغیرہ کا بھی ہے اور ان ضوابط کا بھی جنسے کسی زبان کی فصاحت[۱] اور بلاغت وابستہ ہو تی یا کردی جاتی ہے۔ اور وہ مختصات بھی شامل ہیں جو فن شاعری میں کہنہ مشقی یا بہ پابندی قواعد متعارفہ محاورات لسانی کے تابع تسلیم کرلئے گئے ہیں اوزان اور بحور یا ردیف اور قوافی کی بحث یکساں اعتبار سے ہر ایک ملک یا ہر ایک زبان میں یکساں نہیں پائی جاتی۔ ایشیائی زبانوں اور پہر ایشیائی زبانوں میں سے السنۂ عربی فارسی اردو اور سنسکرت میں بحور یا اوزان کی ترتیب مختلف صورتوں میں ہے۔ یورپین زبانوں میں یہ طریقہ اسنے بھی کچھہ مختلف ہوگیا ہے۔ اور اب یہ بحث بھی چہڑ گئی ہے کہ پابندی اوزان اور بحور اور ردیف کی ایسی ضرورت ہی کیا ہے۔

[۱] ۔ گو فصاحت اور بلاغت ہر ایک زبان میں کسی نہ کسی اصول یا قاعدہ کے تابع رکہی گئی ہے اور ماہرین السنہ نے اسکے متعلق چند قواعد کا مجموعہ بھی مہیا کر رکہا ہے مگر پہر بھی اصولی اعتبارات سے کہا ہی جاویگا کہ فصاحت اور بلاغت کا کچہہ حصہ طبیعت یا مذاق طبیعت کے بھی تابع ہے۔ خود طبیعت ہی فصاحت اور بلاغت کی صراف اور نقاد ہے۔ قواعد فصاحت اور بلاغت بھی اکی تنقید نہیں کرتے بلکہ طبیعت بھی اسپر صاد کرتی ہے۔ بھدی بندش بھدی ترکیب بھدا کلام بلحاظ قواعد فصاحت اور بلاغت کے طبیعت پر دوبہر معلوم ہوتا ہے۔ جاہل طبیعتیں بھی تاڑ جاتی ہیں کہ بندش خراب۔ طرز بے اثر کلام اوکہڑا اکہڑا ہے اور حقیقت پوچہو تو طبعی تنقید سے ہی فصاحت اور بلاغت کی بنیاد بھی پڑتی ہے۔ ۱۲

اس میں شک تو نہیں کہ ان فرضی اوتیات کی پابندی سے مضامین کی تلخیص اور بندش میں دقت ضرور ہوتی ہے۔ اور طائر مضمون قفس اوزان میں بند ہو کر پرواز کرتا ہے۔ لیکن یہ پابندی بجائے خود خوبی مضمون کے لئے ایک اعلیٰ جزو ثابت ہوتی ہے۔ نثر میں بھی گو ایک جذب اور ایک اثر پایا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی اُسکا مضمون بمقابلہ نظم کے پریشان اور ژولیدہ ضرور ہوتا ہے۔ اور باوجود اسکے بعض دفعہ چیدہ چیدہ نثار بھی قوافی اور تلازمات کی پابندی حسن نثر کے واسطے ضروری سمجھتے ہیں۔

بعضوں نے یہ فیصلہ بھی کر دیا ہے۔ کہ تقید اوزان یا بحور بھی دراصل ایک طبعی مذاق ہی کے تابع ہے۔ طبیعت خود ہی اوزان اور بحور کی مقید واقع ہوئی ہے۔ اگر شعر شاعری کا چرچا نہ بھی ہوتا تب بھی بہت سی طبیعتیں اوزان کی شیدائی ہوتیں اور اُن میں یہ وحدت پائی جاتی۔ ایک سُر اور ایک الحان بجائے خود ایک وزن یا ایک وزن کے تابع ہے۔ اور یہ ایک طبعی امر یا طبعی خاصہ ہے۔ بعض جانوروں کی آواز بھی ایک وزن رکھتی ہے ہوا کے تصادم۔ پانی کی موجوں اور لہروں۔ دو جسموں کی باہمی ضرب میں کیوں ایک کشش ہوتی ہے۔ اسواسطے کہ اُن میں بھی ایک تناسب ہوتا ہے۔ وزن اور بحر کیا ہے؟ ایک ایسا تناسب جو طبائع پر موزوں اثر کرتا ہے۔

جس آواز اور جس صدا یا جس تصادم اور جس تضارب میں ایک تناسب پایا جاویگا وہ بجائے خود ایک وزن یا ایک بحر ہے۔ ہر کھٹ کھٹ اور ہر ٹھف ٹھف میں ایک تناسب ہے اور ہر ایسا تناسب کسی نہ کسی وزن کے تابع

ہے۔ اور ہر طبعیت ایسے تناسبات کی خواہاں اور جویاں۔ ایک جرمن فلاسفر
اس بارہ میں یوں کہتا ہے۔
"یہ پابندی وزن جو آواز ہمارے کان میں پہونچتی ہے وہ ایک قسم کا راگ ہے
اور اُس سے ہمیں تفریح حاصل ہوتی ہے بیشک وہ ایک قابل قدر سماں ہے ہماری
طبیعتیں ایسی آوازوں کی عادی اور مشتاق ہیں۔
اگر کسی زبان کی شاعری میں اوزان اور بحور نہیں پائے جاتے۔ یا انکی
قلت ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ کسی اور زبان میں ایسا ذخیرہ
رکھا ہی نہ جائے۔ یہ توہم کر سکتے ہیں کہ ایک یا چند اشعار میں اوزان کی پابندی
نہ کریں۔ لیکن مصرعوں میں اس پابندی سے کیونکر بچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہر مصرعہ
بجائے خود ایک وزن ہے۔ یہ لازم ہے کہ ہمارا ہر ایک مصرعہ یا ہر ایک شعر نثر
سے جداگانہ ترکیب یا بندش رکھتا ہو۔ لیکن جو ایسی جداگانہ بندش یا ترکیب
ہوگی۔ وہی ایک وزن ہوگا۔
ردیف اور قافیہ کا التزام صرف اسواسطے نہیں رکھا جاتا کہ اسکے بغیر شعر
ترکیب نہیں پا سکتا بلکہ اسواسطے بھی کہ اس موزوں التزام سے دراصل ایک
شعری بندش میں خوبصورتی اور نفاست اور حسن بیان آجاتا ہے۔ گو پابندی
قوافی اور ردیف سے فصاحت بلاغت میں کوئی مزید خوبی نہ پیدا ہو مگر اسمیں
کیا شک ہے کہ اس سے ایک حسن ترکیب تو ظاہر ہوتی ہے — اور یہ ضرورت
نثر میں بھی رہتی ہے۔ نثر میں بھی الفاظ کی بندش ترکیب بھرتی اگر خوبی اور عمدگی
سے ہو تو اسمیں ایک نفاست اور لطافت آجاتی ہے اور خلاف اسکے ایک

بھدا پن اور ابتری سے پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ جدا بات ہے کہ بعض اوزان اور بعض قوافی اور ردیفین اردو زبان میں کھپتی اور پھبتی نہیں اسواسطے انکا اردو شاعری میں استعمال موزون نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بالکل درست ہے۔ زبانوں کی ترکیب و بندش چونکہ جداگانہ سلسلۂ وضع الفاظ کے تابع ہے۔ اسواسطے بعض بحور اور بعض اوزان ایک زبان کے موزون ہوتے ہیں اور دوسری زبان کے نہیں اگر اردو شاعری کا ذخیرہ دیکھا جاوے تو پتہ لگ سکتا ہے کہ اکثر اوزان اس میں متروک ہیں تمام عربی یا فارسی اوزان اور بحور کی بھرتی کرنا بھی محض بھرتی ہی۔ اگر ایک زبان انکی حامل نہیں ہو سکتی۔ تو کیا ضرورت ہے کہ اُن میں ناحق طبع آزمائی کیجای۔

چونکہ اب زبان اردو ہندوستان کی قریباً ایک مشترکہ زبان سمجھے جانیکے قابل ہوتی جاتی ہے۔ اسواسطے اسمیں انہیں اصطلاحات کی بھرتی لازمی ہی۔ جن کی وہ حامل ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ بعض اوقات دور دراز ملکوں اور زبانوں کے سرمایہ سے اُردو کی خدمت کرتے ہیں لیکن اُسکے پہلو یعنی ہندی زبان کے سرمایہ سے کچھ بھی نہیں لیتے۔ یہ عمل ایک یکطرفہ عمل ہے۔ اردو سے ہندی کو اور ہندی کو اُردو سے ایک معنوی نسبت حاصل ہی۔ فارسی عربی۔ اور انگریزی کا اردو سے رشتہ اکثر کر کے الفاظ کی جہت سے ہے لیکن ہندی کا رشتہ زیادہ تر معنوی بھی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہندی شاعری کی باریکیوں اور ادبیات سے اردو شاعری میں مناسب اضافہ نہ کیا جائے۔ وہ زبانیں جو مشترکہ یا علمی زبانیں کہلانے کا درجہ رکھتی ہیں ہمیشہ ترقی کرتی

رہتی ہیں ان میں تبادلۂ الفاظ کے علاوہ تبادلہ مضامین بھی ہوتا رہتا ہے۔ ذہنی اولیات میں تو اس تبادلہ کے مقابلہ میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ لیکن فرضی اولیات یا فنی قواعد میں ایسی تبدیلی آسکتی ہے۔ جب رنگِ زبان میں تبدیلی آجاتی ہے تو مفروضہ اولیات میں بھی لزوماً تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے۔ بعض محاورات کا ترک اور بعض کا اخذ۔ بعض کا استعمال اور بعض سے اعراض بعض صور کا مستند خیال کیا جاتا۔ اور بعض کا نامستند۔ بعض الفاظ مرادف میں تفریق یا تقدیم اور تاخیر۔ اخذ یا ترک۔ تعقید استعارہ و تشبیہ لف و نشر ایہام ایطاے حشو و زوائد کی بحثیں تبدیل رنگ کیساتھ ساتھ ہی بدلتی رہتی ہیں۔ یہ سب بحثیں اولیات میں ہی داخل ہیں یا یہ کہ یہ سب مواد مناسبات شعری میں داخل ہے۔

یہ کوشش کرنا کہ ان لزومات یا اولیات اور مناسبات شعری سے قطع تعلق کرکے طبع آزمائی کیجاے فن شاعری کی تذلیل کرنا ہے۔ ہر فن کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ جب تک انکا التزام مدنظر نہ رہے۔ وہ فن فروغ پا ہی نہیں سکتا۔ اگر راگ میں سُر تال وغیرہ وغیرہ کا التزام نہ رکھا جاوے۔ تو وہ راگ ہی کیا ہوگا یہی ضرورت ہے جس نے راگیونکو اسطرف متوجہ کیا ہے کہ سارنگی۔ ہارمونیم وغیرہ وغیرہ باجوں میں بھی ان اولیات موسیقی کا التزام باقی رہے۔

اگر صرف نحو نہ پڑھی پڑھائی جاوے۔ تو کیا سلسلہ گفتگو اور سلک کلام ٹوٹ جاویگا۔ ہرگز نہیں عوام الناس گذارہ کرتے ہی ہیں۔ لیکن صرف و نحو کی تعلیم سے ایک زبان کی بندش اور طرز باضابطہ کا پتہ لگتا اور ترتیب مضامین کے لئے ایک قاعدہ[1] ملجاتا ہے۔ اگر اس قاعدہ کی پابندی لازمی اور مناسب

[1] حاشیہ بصفحۂ آئندہ۔

نہیں۔ تو پھر ہمیں ہر شاخ فن اور ہر شاخ علمی میں اس بار سے سبکدوش ہونا پڑیگا حالانکہ ہم ایسا کبھی نہیں کرسکتے۔

شاعری کی ضرورت

دونوں صورتوں میں یہ سوال ہوسکتا ہے۔

نثر کی کیا ضرورت ہے ؟

شاعری کی کیا ضرورت ہے ؟

جو جواب ضرورت نثر کے مقابلہ میں ہے۔ وہی جواب ضرورت شاعری کے مقابلہ میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ نثر کی اسواسطے ضرورت ہے کہ ہم اپنے ذخائر علمی کی حفاظت اور اظہار بجز اسکے نہیں کرسکتے یا ہم اپنے خیالات کا اظہار اُسکے ذریعہ سے کرتے ہیں اور وہ ہمارے کل بُرے بھلے معلومات کی ضامن اور کفیل ہے۔

حاشیہ صفحہ ۷۴۔ بیشک یہ کہا جاتا ہے کہ بعض شاعر عروض کی واقفیت کے سوا بھی شعر کہہ لیتے ہیں یا کہہ لیتے تھے۔ یہ درست ہے جو اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ بعض طبائع میں طبعًا ہی موزونیت کا مادہ کثیر مودع ہے لیکن اس سے عروض کی بے وقری تو نہیں ہوتی بلکہ اس کی ضرورت طبعًا ہی ثابت ہوتی ہے عروض کیا ہے۔ چند ایسے قواعد اور ضابطوں کا مجموعہ جو زمین شعری میں ضروری التعمیل ہیں اور جنکا مخرج طبیعتیں ہی ہیں۔ عروض میں اگر اوزان اور بحور اور ردیف یا قوافی کا بیان ہے۔ تو وہ بھی طبائع ہی کا مواد اور ماحصل ہے کیونکہ طبیعتیں خود اوزان کی کسی نکسی درجہ پابند ہیں۔
ہاں یہ اس صورت میں درست نہوتا جبکہ ایسے مذاقی یا طبعی شاعروں کی شاعری خلاف عروض ثابت ہوتی۔ ایسے شاعروں کی کل شاعری مجموعہ عروض کے جب مطابق واقع ہوتی ہے تو اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ عروض کا ضابطہ ہی عین منا بطہ طبائع کے مطابق ہے ۱۲

شاعری کی اسواسطے ضرورت ہے کہ ہم مضامین نثری کی تلخیص و تخصیص اس کے ذریعہ سے کرتے اور ایک نفیس صورت میں اُسے لوگوں تک موثرانہ پیرایہ میں پہونچاتی ہیں اور اسکے ذریعہ سے ہماری قوت متخیلہ جوش میں آتی ہے۔ نثر عام مضامین پیش کرتی ہی۔ اور شاعری وہ خاص مضامین جمع کرکے دکھاتی ہی جس سے دنیا اور دنیا کی زندگی کا فلسفیانہ[1] اصول ظاہر اور معلوم ہوتا ہے اور اُس سی ہماری مایوسی کا اظہار اور ہماری تفریح اور صوفیانہ زندگی کی بنیاد پڑتی ہے۔ شاعری ہمیشہ دنیا کے سامنے خاص خاص اشیاء اور خاص خاص جذبات کا ایک دلچسپ نقشہ کھینچتی ہے اور سامعین کیواسطے دور دور سے ایسے نمونے لاتی ہے۔ جو بادی النظر میں اسکے پیش نظر نہیں ہو سکتے۔ شاعری اور نثر کی بحث چھوڑ کر انسانی تصرفات اور عملیات پر نظر کیجاوے تو ثابت ہوگا کہ اسکی ہر ایک حالت میں دو کیفیتیں مستتر ہیں۔

"کیفیت عامہ۔

"کیفیت خاصہ۔

---

[1] فلاسفی اور شاعری میں وہی باہمی تناسب موجود ہی جیسے کہ طبیعات اور تجربہ میں۔ سچے شاعر کا اصلی مطلب ہوتا ہے کہ تمثیلات اور استعارات سے تمام موجودات اور منظر قدرت کی نسبت (جہانتک کہ اُسکی رسائی ہی) فلسفیانہ خیالات کا آسان اور سہل صورت میں اظہار کرے اور دوسروں پر اثر ڈالے۔ اسکے مقابلہ میں فلسفی کا یہ مدعا ہے کہ ہم پر تمام موجودات کی اندرونی حقیقت کا انکشاف ہو جاوے۔ فلسفی ہمیشہ چند ایسے مستخرجات پیش کرتا ہے۔ جو اُسنے ایک تحقیقات کے بعد حاصل کئے ہیں شاعر بھی وہی مضمون پیش کرتا ہے جو اسکے چند خیالات اور قیاسات کا نچوڑ ہوتے ہیں اور جن کی تفسیر یا تشریح میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ ۱۲

کیفیت عامہ ایسی موثر نہیں ہوتی جیسے کیفیت خاصہ۔ ہر مادہ میں ایک عطر پایا جاتا ہے کلام کا عطر شعر ہے۔ کلام میں جان ڈالنے کے واسطے تلخیص کی ضرورت ہے اور وہ فن شعری پوری کرتا ہے جسطرح فصاحت اور بلاغت کی ضرورت ہی اسیطرح شعر کی بھی ضرورت ہے یا یوں کہئے کہ شاعری بھی ایک قسم کی فصاحت اور بلاغت ہی ہے۔

بلکہ بمقابلہ فصاحت اور بلاغت کے شاعری ہماری عملی زندگی میں زیادہ تر کارآمد اور سودمند ہے۔ ہم ہمیشہ اقوال منتخبہ اور فقیسہ مہرہ کے مشتاق اور محتاج رہتے ہیں۔ نثر میں بھی انکا ذخیرہ ملتا ہے۔ لیکن جس آسانی اور جس خوبی سے شاعری پیش کرتی ہے نثر میں وہ طاقت کہاں؟

جسطرح راگ اور مصوری ہماری تفریح اور مایوسی دونو کی کفیل ہے اسیطرح شاعری بھی انکی ضامن ہی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان دونو کیفیات کی ہمیں زندگی بھر ضرورت رہتی ہی پس شاعری موسیقی اور مصوری کی طرح ہمیں وہ مواد بہم پہنچاتی ہی جو ہماری زندگی کا لازمہ ہیں۔

شاعری اور نثر کا زمانہ۔ یا
شاعری اور نثر کا باہمی تبادلہ

چونکہ نثر میں بمقابلہ شاعری کے جوش اور ولولہ بہت کم ہوتا ہے۔ یا اس کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔ اسواسطے ان دونو نکے زمانہ یا انتخاب مانہیں فرق ہے۔ ایک حکیم اس مضمون کی ان الفاظ میں تشریح کرتا ہے۔

" نظم بمنزلہ جوانی کے ہی۔ اور

فلاسفی بمنزلہ پیرانہ سالی کے"

شاعرانہ لیاقت اور فطنت عالم شباب میں[1]عالم شباب ہوتی ہو عہد شباب میں منظومات کا شوق اپنی ذات میں برقی جوش اور برقی اثر رکھتا ہے۔ نوجوان طبیعتیں اس نشہ میں سرشار ہوتی اور شعرخوانی یا شعرگوئی سے خاص خوشی اور خاص فرحت حاصل کرتی ہیں۔ تقاضاے عمر سے یہ جوش اور یہ شوق کم ہوتا جاتا ہے[1] جوش اور شوق کی کمی سے پیرانہ سالی میں اکثر نثر زیادہ ترنختہ مشق رہتی ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ شاعری طبیعت سے اُتر جاتی ہے یا شاعری میں مزا نہیں رہتا۔ بلکہ اسوجہ سے کہ جس جوش اور جس اُمنگ کے تابع شاعری ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہتی۔ طبیعت ایسی حالت میں شاعری سے اُکتاتی نہیں۔ بلکہ تھک جاتی ہے۔ اور اُسے ہضم نہیں کرسکتی۔

[1] بڑے بڑے شاعر اور ناظم بڑھاپے میں گر یا تو صوفی منش ہو جاتے ہیں، اور یا فلسفی مذاق میں ڈوب رہتے ہیں۔ طبیعتوں میں نہ تو وہ فوری جوش رہتا ہے اور نہ وہ اُمنگیں خیالات میں یایوسی اور جذبات میں فرسودگی آتی جاتی ہو۔ وہی مضمون پسند آتے ہیں جن میں جوش اور دلولہ کا زیادہ ترمواد نہو وہی زمین اچھی لگتی ہے جو ساکن ہو وہی رنگ جچتا ہے جو پائیدار اور پھیکا نہو۔ وہی راہ لیتے ہیں جس میں شور و شغب نہو۔ وہی منزل اختیار کرتے ہیں جو خاموشی رکھتی ہے۔ وہی آسمان پیارا لگتا ہے جو گرجتے بادلوں سے خالی ہو۔ مدتوں کے تجربہ اور عرصہ کے شواہد سے اس راہ پر آجاتے ہیں جو شاعری کی شاہراہ سے اخیر منزل تک آتی ہے۔ اس منزل میں آکر اخلاقی۔ صوفیانہ۔ فلسفیانہ مذاق پر طبع آزمائی ہوتی ہو۔ تجربوں اور شواہد محققانہ سے کام لیا جاتا ہو۔ فلسفہ عام سے فلسفہ خاص کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور جسمانیات سے روحانیات کی راہیں کھلتی ہیں۔ اُن جذبات سے کام لیا جاتا ہے جو تمام عمر کی شاعری کا سرمایہ نچوڑ ہوتی ہیں

گو جذبات[1] باقی رہتے ہیں لیکن انکے اظہار کی قوتوں میں رفتہ رفتہ کمزوری اور ضعف آتا جاتا ہے۔ دل میں انکا وسوسہ اور جوش ہوتا ہے۔ پر انکے اظہار سے تکلیف ہوتی ہے۔ شاعری میں اصلی جوہر قوت متخیلہ کا جوش میں لانا اور اُسے ایک خاص پیمانہ میں ظاہر کرنا ہے۔ قوت متخیلہ کا قابو میں لانا۔ قابو میں رکھنا اور اُسکا باضابطہ اظہار ایک محنت طلب عمل ہے۔

جسطرح عمل مسمیریزم میں ایک قوی شخص توی عمل کر سکتا ہے۔ اسی طرح عالم جوانی میں ایک ناظم کا عمل نظم میں قوی اور ضروری ہوتا ہے۔ بمقابلہ نظم کے نثر ضعیف ہے اسواسطے بحالت ضعف وہی مناسب سمجھی جاتی ہے۔

[1] قیام زندگی تک گو ہر ایک قسم کا جذبہ باقی رہتا ہے لیکن اُن میں ایک قسم کا انحطاطی عمل رفتہ رفتہ پیدا ہوتا جاتا ہے جس سے اُن طاقتوں میں فرق آنے لگتا ہے جو دوسروں پر اثر ڈالنے یا دوسروں کا اثر قبول کرنیکیواسطے ایک لازمی ذریعہ یا آلہ ہیں۔ جس طرح ایک شجیع شجاعت کا خیال تو قایم رکھ سکتا ہے لیکن ضعف کی حالت میں باوجود بقا اس خیال شجاعت کے شجاعت کا عملی اظہار نہیں کر سکتا۔ اسیطرح ایک شاعر کے دل و دماغ میں جذبات شاعری کسی نہ کسی حالت میں باقی تو رہ سکتی ہیں لیکن بوجہ ضعف اور ازالہ قوائی لازمیہ کے اُن جذبات کا اظہار مناسب اور اعلان موثر نہیں ہو سکتا۔ اور اس انحطاطی حالت میں اکثر نثر میں اُن خیالات اور اُن جذبات کا مطالعہ کسی اور رنگ میں کیا جاتا ہے جنکا مشاہدہ عالم شاعری اور سرزمین نظم میں کیا جا چکا ہے یا بجائے نثر کے سادہ اور صاف شاعری اختیار کیجاتی ہے۔ ۱۲

شاعری کے مماثلات

جب کسی فن کی کسی دوسرے فن سے نسبت بعیدی یا قریبی ہوتی ہے۔
یا جب کوئی فن کسی دوسرے فن سے بعض اغراض یا بعض مقاصد میں کوئی نسبت رکھتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ کہ وہ اس فن کے مماثلات ہیں فنون پر ہی موقوف نہیں جہاں کہیں ایسی نسبت ہوگی۔ وہاں مماثلت پائی جاویگی۔ ذہنیات و فلسفہ میں گو بعض اصول اور مقاصد یا مسلمات کے اعتبار سے مغائرت ہے لیکن اُن میں ایک ایسی نسبت بھی پائی جاتی ہے جسنے اُنہیں ایک دوسرے کا مماثل بنا دیا ہے۔ مماثلت دو جہت سے ہوتی ہے۔

مِن جہتِ الاصول۔

مِن جہتِ العوارض۔

اصولی مماثلتیں عام فہم نہیں ہوتیں۔ اُن میں ایک حجاب حائل ہوتا ہے۔ خلاف اسکے مماثلت فی العوارض وزر اصاف اور واضح ہوتی ہے۔ ہم مماثلت فی العوارض کی نسبت بحث نہیں کرینگے۔ صرف اصولی مماثلت لینگے۔

فن شاعری کی اصولی مماثلت فنون مندرجہ ذیل سے مسلمہ ہے۔

"موسیقی" "مصوّری" "نقاشی"

جو بات یا جو مدعا ایک شاعر کے خیال میں ہوتا ہے۔ قریباً وہی ایک نقاش مصور۔ موسیقی داں کے ذہن میں ہوتا ہے۔ شاعر بھی زیادہ تر قوتِ متخیلہ سے

کام لیتا ہے اور وہی اسکا کامل رہبر ہوتی ہے۔ نقاش۔ مصور۔ موسیقی داں
بھی اسی قوت سے مطلب نکالتا ہے۔ شاعر کا عموماً یہ مدعا ہوتا ہے کہ جو خیالات
یا جو کیفیات میرے خیال میرے ذہن میں آئی ہیں میں دوسروں کے ذہن نشین
اُنہیں کرسکوں۔ یہی مدعا اور یہی غرض ایک نقاش۔ مصور۔ یا ایک موسیقی داں
کی بھی ہوتی ہے۔ ایک شاعر ہمیشہ اس دُھن میں رہتا ہے کہ اسکے خیالات۔ مدرکہ
کیفیات میں ایک ایسی دلچسپی۔ ایسی دلکشی۔ ایسی خوبصورتی۔ ایسی کشش آجائے
کہ ناظرین سنتے ہی عش عش کر اٹھیں۔ شعر کی ایسی بندش اور ایسی ترتیب ہو کہ
وہ اُسیکا حصہ سمجھا جائے۔ یہی اغراض اور یہی خیالات ایک نقاش۔ ایک مصور
اور ایک موسیقی داں کے ذہن نشین ہوتے ہیں۔ نقاش یا مصور ہمیشہ اس
کوشش میں رہتا ہے کہ اُسکا نقشہ یا اُس کی تصویر مُنہہ سے بولے۔ لوگ
دیکھتے ہی دنگ ہوجاویں۔ تصویر خود اپنی قیمت کرے۔ مصور کو نہ بولنا پڑے
نقش خود نقش حیرت ہو ناثابت کرے۔ نقاش اپنے مُنہہ سے کچھ بھی نہ کہے۔
ایک موسیقی داں ہمیشہ اسی لوٹہ میں رہتا ہے کہ وہ اپنے فن کی وجہ سے۔
سُریلے راگ کی بدولت سامعین پر جادو کرکے دکہا دے۔ نقاش مصور ذہنی
یا واقعاتی تصویریں کہینچتے اور اُنکا مصالحہ بہم پہونچاتے ہیں۔ ایک شاعر در اصل
واقعات پیش آمدہ یا کیفیات مدرکہ کی ایک تصویر ہی کہینچتا ہے۔ صرف فرق
ہوتا ہے کہ نقاش یا مصور تصویر میں خط وخال اور شان تصویر دکہاتا ہے۔
اور کوشش کرتا ہے کہ نقل اصل سی ہو بہو ٹکر کہائے۔ شاعر گو خط وخال اور شان
تصویر ایک خاکہ مصوری میں نہیں دکہاتا لیکن ایک واقعہ کا نقشہ اور ایک

کیفیت کی تصویر وہ بھی کھینچ دیتا ہے۔ اگر کوئی مصوّر یا نقاش شاعر کے اشعار سے تصویر بنانا یا نقشہ کھینچنا چاہے تو باآسانی بنا اور کھینچ سکتا ہے۔[1]

دنیا میں اس قسم کی تصویریں اور نقشے بھی پائے جاتے ہیں جو صرف سماعی واقعات یا کیفیات سے خیالی تصویروں کی طرح کھینچے گئے ہیں۔ اگر ایک مصور خیالی کیفیات کے مطابق تصویر بنا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سماعی واقعات کے مطابق نہ کھینچ سکے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ تصویر اور نقش پر ہر ایک کی نظر پڑ سکتی ہی اور ہر کوئی اُنہیں دیکھ سکتا ہے اور شاعری کی تصویریں یا نقوش کوئی کوئی ہی دیکھتا ہے۔ یا یہ کہ کوئی ہی اُنکا خوبی کیساتھ مبصر ہوتا ہے لیکن تصویر یا کسی نقش کی نفاست اور خوبی کا معلوم کرنا بھی چنداں آسان نہیں ہے۔

تصویر کی خوبی معلوم کرنیکے واسطے بھی زمانہ چاہئے۔ ؎

آن دہن چیست نقطۂ موہوم
بہ تامل شد اینقدر معلوم

اگر ایک مصوّر اور نقاش تصویر اور خط و خال کی درستی مین مدتیں صرف کرتا ہے۔ تو ایک شاعر بھی خون جگر پی پی کر شعر کہتا ہے۔ اُسے کتنی دفعہ لفظوں کا توڑ جوڑ۔ محاورات کا الٹ پلٹ۔ بندشوں کی تبدیلی کرنی پڑتی ہی اور گو مشاق مصور کی ہاتھ کی طرح جب دل ٹک جاتا ہے۔ تو پھر بیشک اتنی درستی نہیں کرنی پڑتی۔ مگر پہلے پہلے کہنہ مشقی کے لئے جسقدر تکلیف اٹھانی پڑتی ہی

[1] یوروپ میں عمر خیام کی رباعیات ایسی بھی چھاپی گئی ہیں کہ ایکطرف رباعی کی مضمون رباعی یا خیال شاعری کی ایک دلچسپ تصویر دیگئی ہی۔ ۱۲

وہ شاعر ہی جانتا ہے۔ ایک تصویر یا ایک نقشہ کے خط و خال یا رنگ تو معدودے چند ہی ہوتے ہیں اور نقاش یا مصور ہمیشہ انہیں عموماً اپنی آنکھوں سے دیکھتا بھی ہے۔ شاعر کا سارا زور صرف وہمی یا خیالی اندازوں پر ہی ہوتا ہے۔

نقاش یا مصور عموماً یا تو صرف ایک دو شخصوں کی خاطر تصویر یا نقش بناتا ہے۔ اور یا اسلئے کہ اسے مسجد یا مندر، دربار یا عجائب گھر میں آویزاں کیا جاوے۔ لیکن شاعر اپنی شاعری تصویریں سارے جہان کے روبرو پیش کرتا ہے۔ مصور کی تصویریں پاؤں سے بھی نہیں چل سکتیں۔ لیکن شاعر کی تصویریں معانی کے پروں سے کو بہ بکو اُڑتی پھرتی ہیں۔

مولانا اکبر یا مسٹر اقبال نیرنگ کی رباعی چھپتے ہی رسالوں کے دوش بدوش ہفتہ دو ہفتہ کے اندر سارے ہندوستان کے اندر پھر نکلی۔ کسی نے شوقیہ پڑھی۔ کسی نے یوں ہی۔ کسی نے وقت کٹی کی۔ کسی نے تنقیدی نگاہوں سے دیکھی۔ بھلا ایک نقش یا تصویر کے یہ نصیب کہاں۔ جہاں لٹکائی وہیں لٹکی رہگئی۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔

تصاویر اور نقوش میں جو اثر اور جو جذب ہوتا ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن شعری کشش اُنسے زیادہ ہوتی ہے۔ بیشک تصویر بھی بعض اوقات مُنہہ سے بولتی اور آپ بیتی کہتی ہے اور اس سے ہم کچھہ اخذ کرتے ہیں۔ لیکن ایک موثر شعر تو شاعر کی زبان سے بولتا اور اپنی سرگذشت سناتا ہے۔ بیشک ایک دلکش تصویر یا ایک موثر نقش راہ چلتوں کو کھڑا کرلیتا ہے لیکن ایک دلکش شعر اور اُسکا نفیس مضمون و دلچسپ تلازمات جو ایک سمجھہ

دار دل و دماغ پر اثر ڈالتا ہے وہ تصویریں کہاں۔ بڑے بڑے معابد اور
منادر یا دربار شاہی میں رشک مانی و بہزاد کی تصویریں پڑی ہیں۔ ضرور اُن
میں اتنک ایک طاقت ہے۔ مگر شعری طاقت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔
آخر اُنکی تفسیر بھی اوپر کا کتبہ یا شعر ہی کرتا ہے۔ باوجود وہن تصویریں میں زبان
ہونیکے زبان شعر سے ہی اسکی مخفی کیفیات پر روشنی پڑتی ہے۔

دیواروں پر تصویریں مدتوں سے آویزاں ہیں۔ منٹ دو منٹ
لوگ انہیں دیکھتے ہیں پر کوئی پوچھتا ہی نہیں اور نہ کسی پر اثر ہوتا ہے۔

جو ملک یا جو قومیں احساس خوبصورتی میں زیادہ تر مشہور یا مشاق ہیں۔
اُن میں اچھی سے اچھی نقاویر کا یہی حال ہے۔ جب کبھی کوئی شائق تحقیقات
آثار صنادید کرتا ہے تو انہیں ہی ایک نظر دیکھ لیتا ہے بیشک یہ درست ہے۔
کہ تصاویر کے سمجھنے کے واسطے ایک اعلیٰ تعلیم اور شستہ دماغ کی ضرورت
ہے۔ لیکن اُسکے ساتھ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ بمقابلہ فن شعری کے فن نقاشی اور
فن مصوری کم درجہ میں مؤثر ہیں۔

اگر کسی مکان میں ایک دلکش تصویر رکھی ہو اور اُس میں کوئی خوش الحان
ایک چیدہ غزل پڑھے تو سب لوگونکی توجہ غزل خواں یا مضمون غزل کی
طرف ہوجاویگی۔ تصویر بحالِ تصویر ہی لٹکتی رہیگی۔ دوسری صبح ہی اسی غزل
شہر بہ شہر کو بکو گھومتی پھریگی۔

کسی حکیم نے سچ کہا ہے۔ کہ
" کلام پردار ہوتا ہے "

مصور اور تصویر پسند نقاش اور نقش پسند دونوں یہ بات مانتے ہیں
کہ تصویر اور نقش کی خوبی اس حالت میں کھلتی ہے۔ جب اسمیں اصلیت اور
واقعیت کا رنگ اور عکس بھی ہو۔ یا وہ خوبی اور وہ کیفیت اسکے منظر سے
عیاں اور اظہر ہو، جو مصوّر کی طبیعت میں تھی۔ مصوّر ایک تصویر میں انداز
آن۔ شان۔ سج۔ دہج۔ موقعہ۔ وقت۔ حال۔ قال۔ شرم وحیا۔ شوخ۔
ناز۔ سب کچھ دکھاتا۔ اور ان سب کا خاکہ کھینچتا ہے۔ جب تک یہ التزام نہو
تصویر اٹھتی ہی نہیں۔ مشاق مصور فوراً تاڑ جاتے ہیں کہ اس میں یہ کسر رہگئی
ہے۔ اور یہ نقص ہے۔ فوٹو گراف میں اگرچہ بہت ہی کم دستکاری کا موقعہ ملتا ہی
مگر تصویر لینے کے وقت۔ موقعہ۔ پوزیشن۔ فوکس درست کرنا ہی پڑتا ہے
پوزیشن بگڑی۔ تصویر بگڑی۔ مصوّر کے ان التزامات کی بابت عموماً کوئی
اعتراض نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کی ایسی فرو گذاشتوں پر سخت نکتہ چینیاں
کیجاتی ہیں لیکن جب ایک نازک خیال شاعر شعری زمین میں اس قسم کی
گلکاریاں کرتا یا بیل بوٹے بناتا ہے تو لوگ معترض ہوتے ہیں یہ نہیں سمجھتے
کہ بیجان تصویر ایسی جوابدہ نہیں ہوسکتی۔ جیسے ایک شعری تصویر۔
کیا ایک شاعر کا یہ فرض نہیں کہ وہ اپنا کلام طرح طرح کی خوبیوں
اور عمدگیوں سے آراستہ پیراستہ کرے اور اس کی تہ میں وہ غوامض رکھے۔
جو دریافت ہونے پر ایک لطف دے جاویں مضمون ایسا چست اور پھڑکتا ہو
جو صیاد معانی کے لئے دام تزویر ہی نہو بلکہ دام تسخیر بھی ہو۔
بندش ایسی شستہ روش ایسی پختہ ہو کہ صید طبع پھنسے اور نکلے نہیں

ہاں جس طرح ایک مصور یا نقاش کے لئے بھدی تصویر بنانا یا گندے انداز سے
پیش کرنا موجب شرم ہے۔ اسیطرح ایک چیدہ شاعر کے لئے مضامین شعری
میں گندے مواد اور نجس استعارات کا بھر دینا باعث بدنامی یا رسوائی ہے
سادگی فصاحت و بلاغت اور دلچسپی و کشش کی مانع نہیں۔ سادگی میں بجائے
خود ایک کشش اور جذب ہوتا ہے۔ مبالغہ اور تکلف میں صداقت اور سادگی
نہیں ہوتی۔ اگر ایک مصور کمر تصویر یا دہان تصویر بنائے ہی نہیں اور تصویر
کی پیشانی پر موٹے قلم سے لکھدے کہ تصویر کی کمر واقعہ میں ایسی پتلی ایسی نازک
تھی کہ میں بنا ہی نہیں سکتا تھا تو ایسی تصویر پسند کون کریگا اور اسکا جوڑ
کیونکر ہوگا اور کون شخص ایسے مصور کی دستکاری کی داد دیگا۔ جس تصویر
[illegible] مصور کے لئے سب
کا دہن ہی نہیں وہ تصویر ہی کیا ہوئی۔ [illegible]
سے پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا۔ کہ

"انسان بے کمر بے دہن بھی ہوا کرتے ہیں"

مبالغہ کی آخر کوئی حد بھی تو ہونی چاہیئے۔

شاعر اپنے اشعار میں دہان عین م کی مروڑی ن کا دائرہ تو بناتا ہی
لیکن جب معشوق کی تعریف کرتا ہے تو دہان و کمر یا تو بالکل اڑا ہی دیتا ہے۔ اور یا دائرہ ن
سے بھی تنگ اور بال سے باریک تر دکھاتا ہے۔ مطلب اسکا یہ ہوا کہ دلربا کی
پری مثال دہان عین اور دائرہ ن سے بھی گیا گذرا۔ مانا کہ یہ طرز بیان یا طریق
تعریف کمال درجہ کی باریک بینی پر دال ہے۔ لیکن اس کو کندن دکاہ
بر آوردن سے فائدہ فصاحت و بلاغت کا یہ منشا تو نہیں کہ تعریف کرتے

کرتے معرف کا وجود ہی نقطۂ عدم میں لایا جاوے جس عبارت کے کوئی معنی نہو ویں اور جو شعر کوئی مفہوم ہی نہ رکھے۔ وہ باوجود استعارات وقیقہ کے بھی مدِ فضول میں داخل ہوگا۔

بلندی خیالات۔ نفاست مضامین کا یہ معیار نہیں ہونا چاہیے کہ حقیقت گم اصلیت ندارد حقایق بعید از عقل و فہم و دراز دانش و فراست موجود۔ یہ طریق عمل شاعری میں گو پہلے زمانوں میں محمود گنا جاتا ہو اس زمانہ میں تو واقعی مقبوح اور مذموم شمار ہونے لگا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ شاعری کا زور اس طرف سے ہٹ جاوے اور اس پیمانہ پر آجاوے جو حقیقت کے قریب قریب ہو یہ تھوڑی بات ہے کہ ایک شاعر خلائق کا ہی دلوں اور سامعین پر خوبی اور عمدگی سے سکہ جما سکے۔

موسیقی اور شاعری میں جو نسبت اور مماثلت ہے وہ نقاشی اور مصوری سے بڑھکر ہے۔ موسیقی بھی دراصل ایک شاعری یا شاعری کی قسم ہے موسیقی کے اغراض اور مقاصد عموماً وہی ہیں جو شاعری کے ہیں جیسے شاعری میں تناسب لوازم ستعارات۔ تشبیہات ہیں۔ ایسے ہی موسیقی میں بھی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ شاعری کی مشکلات عموماً شاعر تک ہی ختم ہوجاتی ہیں۔ شاعر ہی انہیں حل کرتا اور شاعر ہی انہیں نباہتا ہے خلاف اسکے موسیقی کی مشکلات واضع سے شروع ہوکر موسیقی داں تک برابر چلی جاتی ہیں۔ اشعار پڑھنے یا سمجھنے کیواسطے عموماً ان مشکلات سے گذرنا نہیں پڑتا جنسے خود شاعر گزرتا ہے۔ بڑے بڑے نامور جرز ورس۔ نازکخیال شاعروں کے اشعار معمولی آدمیوں

کے بھی زباں زد ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ اُنکے معانی سمجھتے ہیں روزمرہ سنے جاتے ہیں لیکن گانا اور اسکا سمجھنا بہ نسبت اس مرحلہ کے زیادہ تر مشکل ہے۔

موسیقی داں کے لئے وہی توجہ وہی جالکاہی وہی جزورسی اور وہی وقت شناسی ضروری اور لازمی ہے جو خود ایک واضع موسیقی کے لئے لازمی ہے جب تک ایک راگی واضع موسیقی کی طرح گانے کے وقت اوقات کی پابندی نہ رکھے تب تک وہ کامیاب ہی نہیں ہو سکتا۔ راگی کہے نہ کہے وقت خود ہی غلطیاں نکالدیتا ہے۔ موسیقی دانوں کا مقولہ ہے۔کہ:۔

"راگ گانا ہوا کا باندہنا ہے"

شعر کا پڑھنا مشکل نہیں گو سمجھنا مشکل ہو ہاں شعر کا راگ میں پڑھنا وہی مشکلات [illegible] مزعوم ہیں۔ جب کوئی غزل یا کوئی نظم راگ میں پڑھی [illegible] جاتی ہے تو اسکے لئے بہ تبعیت اصول راگ گویا ایک دوسرا وزن تلاش کرنا ہوتا ہے۔ جب تک راگ کی سُرتال پر شعر نہ آجاے تب تک لطف ہی نہیں آتا۔

جیسے شاعری میں تلازمات اور استعارات اور نسبتیں ہوتی ہیں۔ ایسے ہی بلکہ اُس سے بڑھکر موسیقی میں بھی ہوتی ہیں۔ جیسے شاعری باوجود سعی بلیغ کے بھی مبالغہ اور تشبیہات سے خالی نہیں ہوتی۔ ایسے ہی راگ بھی تلازمات اور تشبیہات یا مبالغہ سے خالی نہیں ہوتا۔ جب تک شعر کی طرح راگ میں تلازمات نہ پاۓ جاویں کچھہ لطف ہی نہیں آتا۔ راگ میں شعر سے زیادہ تر درد و سوز۔ الفت و محبت کا التزام ہوتا ہے جس راگ میں درد و سوز اور اظہار الفت و عشق نہیں۔

وہ بعض کے خیال میں راگ ہی نہیں خواہ مرد کی طرف سے راگ ہو۔ خواہ عورت کی جانب سے۔ ہر حالت میں ایک عاشقانہ جھلک ضرور دیگا۔ عورت و مرد کیا۔ جب کوئی راگ کسی جانور پرند کے زبانی گایا جاتا ہے۔ اسمیں بھی الفت و عشق کا بکھڑا ہوتا ہے یہ طے شدہ مرحلہ ہے کہ موسیقی کے واضعین شاعر نہیں ہیں کیونکہ باوجود گہری مناسبت یا مماثلت کے بھی یہ دونوں کوچے ہیں جداگانہ لیکن موسیقی میں بھی شاعری کی طرح الفت وعشق کے قصّے۔ محبت کے بکھیڑے۔ جنون چاہت کے خرخشے۔ وفا وجفا کے تذکرے۔ وصل وہجر کے گلے۔ ماوشما کے طعن وتشنیع۔ اپنے پرائے کے رمز وکنائے اُسی طرح پاتے ہیں۔ موسیقی میں مبالغہ تجاوز بھی اسی حدتک ہوتا ہے۔ جو شاعری کے حصہ میں آچکا ہے بلکہ کبھی کبھی شاعری سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ جیسے شاعری میں واقعات کی تلخیص۔ ترتیب۔ کیفیات کی بندش ترکیب ایک نرالے پیرایہ میں ہوتی ہے ایسے ہی موسیقی میں بھی۔ ہاں شاعری وقت کی پابند نہیں۔ موسیقی میں یہ پیچ اور بھی زیادہ ہے۔

جب موسیقی میں ان تلازمات سے بچا نہیں جاسکتا اور سامعین سوای اُسکے اُس سے کوئی لطف نہیں اٹھاسکتے یا اس کی کوئی حقیقت ہی باقی نہیں رہتی تو شاعری کسطرح بغیر ان تلازمات خاصہ کے چل سکتی۔ اور کس طرح اسمیں جذب الفت کشش محبت کی رمق پائی جاسکتی ہے۔

جو لوگ شاعری کے ایسے جائز تلازمات سے بھی کڑھتے ہیں۔ وہ موسیقی میں اس کی پرواہ نہیں کرتے اگر ایک موسیقی داں مجبور سمجھا جاسکتا ہے

توکیوں ایک شاعر بھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔

جیسے موسیقی کا من جملہ اور مدعا کے ایک مدعا[1] دوسرو نپر اثر ڈالتا ہے۔ ایسے ہی شاعری کا بھی ایک مدعا اثر ڈالنا ہے۔ اگر موسیقی میں ایسے اثر ڈالنے کی لئے اپنے ملازمات ایسے استعارات کی ضرورت ہے تو شاعری میں بدرجہ اولےٰ ہے۔

موسیقی بھی وہی شستہ اور موثر ہوتی ہے۔ جو لغویات۔ ہذلیات۔ مبالغات ناجائز سے خالی ہو۔ اسیطرح شاعری بھی وہی سراہی جاتی اور ممتاز ہے۔ جو ان نقصوں سے خالی اور پاک صاف ہو۔ لیکن ان دونوں کیواسطے یہ شرط لگا دینا کہ ان میں جائز استعارات۔ جائز تشبیہات۔ جائز تجاوز۔ جائز مبالغہ۔ نہو۔ انہیں ایک ایسے تنگ دائرہ میں لے آنا ہے۔ جو لطف۔ عمدگی۔ نفاست دلچسپی سے بہت دور ہوجاتا ہے۔

---

[1] یہ بحث کیجاتی ہے کہ آیا :۔

"موسیقی پہلے ہے یا "شاعری

"موسیقی کا اثر زیادہ ہے یا "شاعری کا

بعضوں کی یہ راے ہے کہ موسیقی پہلے ہے اور بعضونکی یہ راے ہے کہ شاعری پہلے ہے۔ قول مرجح یہ ہے کہ موسیقی پہلے ہے جو باعتبار ایک فن ہونیکے توگو خاص خاص آدمیوں سے ہی نسبت رکھتی ہے۔ لیکن باعتبار عمومیت ہر طبیعت میں اسکا شائبہ اور مذاق پایا جاتا ہے ایک مثل مشہور ہے کہ رونا۔ ہنسنا۔ گانا۔ ہر شخص جانتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ شعر کہنا بھی ہر شخص جانتا ہے گو شعر کا مذاق بھی طبعی ہے مگر باوجود اسکے طبعی ہونیکے بھی اسپر جرات ہر کسی کو کم ہوتی ہے موسیقی خواہ کوئی جانے

ہندوستان راگ کیواسطے مشہور یا مستند ہے۔ اور اس سے بعد کل ایشیائی حصوں میں راگ یا موسیقی میں بہت لوگوں کو کمال حاصل ہے۔ اور حاصل رہا ہے۔ ہم یہ نہیں کہینگے کہ یورپ کے حصوں میں راگ یا موسیقی نہیں۔ یا انہیں کمال حاصل نہیں۔ سب کچھ ہے لیکن جس نقطۂ کمال پر ہندوستان بالخصوص دیگر حصص ایشیا بالعموم ہیں۔ وہ یورپ میں مرکز سے اچھی فاصلہ پر ہے۔

میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ہندوستان یا ایشیا کا فن موسیقی تو قابل وقعت

بقیہ حاشیہ۔ یا نہ جانے آپ ضرور۔ کچھ دیتا ہے اور کچھ نہیں۔ اُوں آں ہی سہی۔ سمجھیں نہ سمجھیں سر تو ضرور ہلا ہی دینگے۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ در اصل شاعری کی بنیاد ہی موسیقی سے پڑی ہے۔ موسیقی کا تعلق الحان۔ آواز۔ اور سُر تال سے بہت ہے۔ شاعری کا بھی اُن ملازمات سے بہت کچھ تعلق ہے ایک یہ بھی دلیل قدامتِ موسیقی پر ہے کہ جن اقوام میں اب تک شاعری کا دلولہ یا شوق نہیں پایا جاتا اُن میں موسیقی کا ذوق اور شوق لزوماً موجود ہوتا ہے۔ وحشی اقوام میں گو شاعر تو کوئی نہیں ملتا۔ مگر گانے والے بہت ملتے ہیں۔ یہ جدا بات ہے کہ انہیں اسمیں کمال حاصل نہ ہو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ موسیقی ہر ملک اور ہر قوم میں بدوِ خلقت سے ہی شروع ہو جاتی اور شاعری کی باری بعد میں آتی ہے۔

اثر کی بابت بھی دو قول ہیں ایک فریق اسپر ہے کہ شاعری بوجہ اپنی نادر نادر بندشوں اور ملازمات اور علمی استدلالات کے موسیقی سے زیادہ موثر ہے۔ دوسرا فریق اسپر ہے کہ موسیقی کا زیادہ اثر اور زیادہ کشش ہے یہ فریق اس عملی دلیل سے یہ دعوی ثابت کرتا ہے کہ عمل موسیقی سے ایک عام یا سادہ شعر میں بھی وہ کشش وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے جو معمولی پڑھنے سے نہیں ہوتا۔

قابل ستایش اور انسانی زندگی پر ایک اچھا اثر ڈالنے والا سمجھا جاوے۔ اور اسکے دوسرے حصے شاعری کی نسبت اسقدر بدظنیاں کیجاویں۔ شاعری نے موسیقی سے کم رتبہ اور کم درجہ نہیں پایا ہے سچ پوچھو تو شاعری کی دسترس شاعری کی آؤبھگت۔ شاعری کی جزو ہی بمقابلہ موسیقی کے کہیں زیادہ ہے موسیقی اُن کوچوں۔ اُن راہوں۔ اُن بکھیڑے گراؤں سے نہیں گذری۔ جبنے شاعری کو سابقہ پڑا ہے۔ بیشک فن موسیقی علمی اصول سے منافی اور دور نہیں ہے۔ جیسے شاعری کی بنیاد علمی اور اعلیٰ اصولوں پر ہے۔ ایسے ہی موسیقی کی بھی۔ لیکن فن شاعری کی طرف جسقدر عالموں۔ فلاسفروں نے علی الاعلان رجوع کیا ہے۔ اسیقدر موسیقی کی جانب نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ موسیقی میں اسقدر علمی تلازمات ملحوظ نہیں رہتے جسقدر فن شاعری میں ہوتے ہیں یا فن موسیقی اپنی اُسی سادگی پر ہے۔ جسپر تھا۔ اسکے غوامض۔ اسکے دقائق علمی اصولوں میں بھی آکر ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں۔ اُسکا زیادہ تر مدار۔ رموز موسیقی

بقیہ حاشیہ۔ مراثی میں اگرچہ ورد ہی ورد بھرا ہے۔ لیکن اُن کا تحت اللفظ پڑھنا راگ میں پڑھنے سے زیادہ موثر نہیں ہوتا۔ جواب دینے والوں نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ یہ فن موسیقی کی کوئی خوبی نہیں یہ الحان کی خوبی ہے۔ موسیقی اور الحان دو جداگانہ طاقتیں ہیں۔ کیونکہ ضرور نہیں کہ ہر خوش الحان موسیقی داں بھی ہو۔ یا ہر موسیقی داں خوش الحان اور خوش گلو۔ شعر جب رنگ موسیقی میں پڑھا جاتا ہے تو بوجہ خوش الحانی اور خوش گلوئی کے اسمیں ایک ہوا بھری جاتی ہے۔ اگر پڑھنے والا خوش گلو نہو تو گو راگ کے اصولوں سے اسمیں کوئی جدت اور تاثیر پیدا ہو جائے مگر وہ اثر وہ جذب نہو گا کہ جو ایک خوش الحان کے پڑھنے میں ہوتا ہے۔ ۱۲

اور سُر تال یا الحان پر ہے۔ خلاف اسکے شاعری کا تعلق نرے اوزان بحور یا
قوافی اور ردیف سے ہی نہیں۔ بلکہ دیگر علمی تلازمات سے بھی موسیقی کی راہ میں
مذاہب۔ اخلاق۔ سوشل اداب۔ اور سوسائٹی نے بھی چند شرطیں ایسی لگا رکھی ہیں
جو اسے عمومیت سے روکتی ہیں مثلاً شعر کا ایک مجلس میں پڑھ دینا کوئی برائی نہیں
رکھتا۔ یا ایک عالم فاضل جنٹلمین شاعر کسی انجمن میں چند شعر یا نظم پڑھ دے۔
تو اُسے کوئی بُرا نہیں کہتا اور نہ خود پڑھنے والا ہی شرماتا او جھیپتا ہے۔
لیکن اگر کوئی عالم فاضل جنٹلمین گا نا جانتا ہو۔ اور اسمیں اُس کو شعر کی طرح
کمال حاصل ہو تو وہ ضرور جھیپیگا۔ اور سوسائٹی کی نکتہ چینی سے بھی محفوظ نہیں
رہیگا۔ اسواسطے بھی موسیقی پیچھے رہ گئی کہ موسیقی میں خاص واقعات ہی ہوتے
ہیں۔ شعر کی طرح عام واقعات اور عام کیفیات پر نظر نہیں ہوتی۔ شعر کا دخل
وعظ۔ پڑھنا۔ دعا۔ لیکچر۔ گفتگو۔ تماثیل میں بآسانی ہوجاتا ہے۔ لیکن موسیقی
ہمیشہ ان مجلسوں ان محفلوں سے دور رہتی ہے۔ ایک منبر پر یا ایک مجمع میں
تمثیلاً ایک شعر تو پڑھا جا سکتا ہے لیکن ایک راگ نہیں گایا جا سکتا لیکچر دینے
والا موقعہ پر یہ تو کہ سکتا ہے۔ ؎

بہ خاموشی مرا بگذار انگشتم مزن بر لب
کہ پیشت جائے انگشت ست ہر حرفی کہ من گویم

یا یوں ؎

گراں شد گوشم از گفت و شنو و آسودہ گردیدم
نہ کس با من سخن گوید نہ من با کس سخن گویم

لیکن[1] ایک مجلس میں ایسے موقعہ پر کسی راگنی میں یہ نہیں لایا جائیگا۔
"پیا جاگت رہے پیا جاگت رہے۔" الخ

شاعری کے تناسبات

جب کوئی فن کسی دوسرے فن سے بلحاظ جذبات و تخیلات، اور مفہوم کے ایک نسبت رکھتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اُس فن کے تناسبات میں سے ہے ایسی نسبت محض فن کے مقتضیات سے نہیں ہوتی بلکہ صاحب فن کی طبیعت اور مذاق کا اثر یا شعار ہوتی ہے۔ بعض دفعہ فن کے مقتضیات اس نسبت سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے۔ لیکن صاحب فن اُس فن کے شعبوں یا مخترعات میں اس خوبی سے اُس کی آمیزش کرتا ہے کہ وہ اُسکا جزو بنجاتے ہیں۔ ایک فن کے مقتضیات میں ہمیشہ فرق ہوتا ہے۔ بیشک ایک صاحب فن ایک خاص فن کے مقتضیات سے واقفیت۔ مہارت۔ مذاق رکھتا ہے لیکن پھر بھی اُس کی اپنی طبیعت کے مقتضیات جدا ہوتے۔ جسطرح ایک فن کے مقتضیات صاحبِ فن کی طبیعت پر موثر ہوتے ہیں۔ اسیطرح صاحب فن کے طبعی یا مذاقی مقتضیات بھی مقتضیات فن پر موثر اور حاوی ہو کر اپنا رنگ

[1] ایسے موقع میں راگنی اسواسطے کام نہیں دیسکتی کہ در اصل نفس راگنی تمثیلی مادہ بہت ہی کم ہوتا ہے وہ ایک واقعہ کا رنگ یا عکس ہوتا ہے جو اپنے ہی دائرہ میں لطف دیگی۔ ہاں کبھی کبھی دوہا شعر کی جگہ لے لیتا ہے۔ وہ اسواسطے کہ دوہا بھی در اصل شعری زمین میں ہی نشو و نما پاتا اور اُسی رنگ میں رنگا ہوتا ہے۔ ۱۲

دکھاتے ہیں۔ ایک طبیب فن طبابت کے مقتضیات کا پابند ہے۔ لیکن طبیب کے اپنے طبعی مقتضیات بھی اسپر حاوی ہوتے ہیں اور عمل طبابت میں اُسکا اثر ضرور ہے کہ پایا جاوے۔

سمجھ۔ سوچ۔ دوربینی۔ حزم و احتیاط کامل غور ہر ایک طبیب کے لئے ضروری ہے یا یوں کہو کہ طبابت کا تلازمہ۔ لیکن جو شخص طبعی طور بھی یہ مواد رکھتا ہے۔ وہ عملیات طبابت میں ایک خاص حالت یا خاص شہرت کا مالک ہوتا ہے۔ موسیقی ایک فن ہے لیکن جو موسیقی داں۔ خوش الحان اور شیریں بیان ہے۔ وہ کچھ اور ہی درجہ رکھیگا۔

جو شاعر فن شعر میں ملکہ اور مہارت رکھنے کیساتھ تناسبات شاعری میں بھی ملکہ اور مہارت رکھتا ہے۔ اسکی شاعری اُس کی نظم کوئی اور ہی پایہ رکھیگی۔ ایسے ہی امتیازات سے بعض شاعر ممتاز اور چیدہ شمار ہوتے ہیں[۱]۔

تناسبات شاعری دو قسم پر ہیں۔

" طبعی

" مکسوبہ

طبعی تناسبات وہ ہیں جو بعض اشخاص طبعاً اپنی ذات میں کسی نہ کسی درجہ میں رکھتے ہیں۔ اور کسی حالت میں اُنسے وہ خالی نہیں رہ سکتے۔

---

[۱] بیشک وہ بھی شاعر ہیں۔ جو ان تناسبات شاعری سے لگاؤ نہیں رکھتے یا بہت کم رکھتے ہیں درجہ شاعری سے وہ دور نہیں ہیں۔ لیکن باعتبار ملکہ تناسبات شاعری کے اُنکا درجہ بہرحال متناسب الطبائع شاعروں سے کم ہی رہیگا۔ ۱۲

مکسوبہ وہ ہیں جو ایک کسب اور ترتیب کے بعد یا ایک کسب اور ترتیب کے سلسلہ ہیں
بعض اشخاص حاصل کرتے ہیں۔ اور جو کسی نہ کسی درجے تک طبائع کا جزو بنجاتے ہیں
بعض نے کہاہے کہ ان دو نو قسم کے تناسبات میں ہی ایک نسبت ہے جو تناسبات
مکسوبہ ہیں وہ بھی دراصل تناسبات طبعی ہی کا اثر یا شعبہ ہوتے ہیں کوئی اکتساب
یا کوئی ترتیب اقتضائے طبعی سے باہر نہیں ہوتی۔ ہر اکتساب میں کچھہ نہ کچھہ طبعی مذاق
کا شائبہ پایا جاتاہے بعضوں نے اس نسبت کی تائید توکی ہے لیکن ان دونوں
میں فرق رکھاہے ان دونو قسموں کے ماتحت جسقدر تناسبات کئے جاسکتے
ہیں۔ وہ سب عموماً استقرائی ہونگے۔ ہاں بعض اُس سلسلہ میں سے ایسے ہیں
جو لازمی طور پر شاعری کے تناسب ہیں۔ یا اُنہیں متناسب کہاجاسکتاہے
یہ تناسبات اُس حالت میں روشن اور مبرہن ہوتے ہیں کہ جب وہ بسلسلہ اکتساب
یا ترتیب کر حاصل کئے جاتے ہیں لیکن طبعی حالت میں بعض دفعہ اُن کا علم خود صاحب
طبیعت بھی نہیں رکھتا۔ جب دوسرے تناسبات سے نسبت دیجاتی ہے۔ تو
پہر پتہ لگتاہے کہ ایک صاحب فن دوسرے تناسبات بھی رکھتاہے۔

ہمنے کہیں اوپر لکھاہے کہ فن شاعری کے مماثلات میں سے نقاشی مصوری
اور موسیقی۔ بھی ہے۔ انکی مماثلت آثار اور نمائش میں زیادہ تر ہے۔ تناسات
کی نسبت جذبات۔

استخراجات اور مفاہیم میں ہوتی ہے۔ یہ حالت عام شاعری میں نہیں پائی
جاتی یعنے ان تناسبات کا تعلق اور ظہور عام شاعری میں نہیں ہوتا۔ خاص
شاعری اسکا مرجع یا اسکا مصداق ہوتے ہیں اور وہ اُسے نباہ بھی سکتے ہیں

جو شاعر نرے سادے واقعات کے مولف اور ناظم ہوتے ہیں وہ یہ بازی نہیں لیجا سکتے۔

ہم اس بحث میں عام تناسبات کا ذکر نہیں کرینگے۔ کیونکہ انکا احصا مشکل ہے صرف چند تناسبات لیتے ہیں۔ انہیں پر اورکا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے موٹی موٹی اور اعلیٰ صورتیں تناسبات کی یہ ہو سکتی ہیں۔

" فلسفہ

" تصوف

" منظر قدرت

" تاریخ

" گرم جوشی

شاعر اور شاعری ان تناسبات یا ان شقوق سے ایک خاص نسبت رکھتی ہے۔ گو ایک مسلّمہ شاعر اپنے تئیں فلاسفر نہ کہے یا لوگ اُسے فلاسفر نہ سمجھیں لیکن جن راہوں اور جن کوچوں سے وہ گذرتا ہے وہ فلسفہ سے دور نہیں ہوتے۔ بلکہ اُسی طرف جاتے ہیں۔ ہمنے بحث فلسفہ میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ فلسفہ بجاے خود کوئی مستقل اور محدود علم یا فن نہیں ہے۔ چند ایسے قیاسات یا تجربات اور علمی استدلالات کا نام ہے جو مختلف تحقیقاتوں اور ادراکات کا نتیجہ ہیں۔

عام طور پر فلسفہ کے الفاظ (.......) میں تعریف کیجاتی ہے کیا شاعر اس خاصہ سے خالی یا معرّا محض ہوتا ہے۔ ہر فلسفی اپنی تحقیقات یا

اپنے اوراکات کی جہت سے چند تھیوریز کا موجد ہوتا ہے۔ اسیطرح شاعر بھی چند قیاسات اور چند تھیوریز کا موجد یا مخترع ہوتا ہے ہر فلسفی اسباب پیش آمدہ اور مواد مختلفہ سے ایک نتیجہ نکالتا یا ایک نتیجہ پر پہونچتا ہے۔ شاعر بھی اپنے جمع کردہ مواد سے ایک استدلال کرتا اور نتیجہ نکالتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فلسفی اپنے قیاسات یا اپنی تھیوریز کا نقشہ خشک الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ جس سے عوام الناس کے دماغ کچھ بھی مس نہیں رکھتے۔ لیکن ایک شاعر ایک ایسی دلاویز تصویر کھینچتا ہے کہ ہر شخص اسپر لٹو اور شیدا ہو جاتا ہے۔

مبشیک ایک فلسفی کہانی کی صورت میں واقعات کا اظہار نہیں کرتا اور نہ اسمیں گل وبلبل زلف وسنبل کا ذکر ہوتا ہے اور نہ عشق و الفت کی داستانیں موجب کلفت ہوتی ہیں۔ لیکن استدلال خاص اس کی تحقیقات میں بھی جزو اعظم ہوتا ہے اور یہی سادہ شاعری میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگر شاعری میں چند مواد گندی اور خارج از تہذیب پائے جاتے ہیں جو کسی حالت میں بھی قابل صاد نہیں ہیں اور انکی تائید کسی صورت میں بھی نہیں کیجا سکتی تو فلسفہ میں بھی چند ایسے مواد پائے ہی جاتے ہیں جو بوجہ بے بنیاد ہونیکے قابل تمسک نہیں ہیں۔ اگر فلسفہ میں مواد اچھا پایا جاتا ہے تو شاعری بھی اُس سے خالی نہیں چشم انتخاب چاہیئے۔

تصوف سے بھی شاعری ایک خاص نسبت رکھتی ہے فلسفہ اور تصوف میں دراصل بہت تھوڑا فرق ہے صوفی بھی اُنہیں کوچوں اور اُنہیں منزلوں سے گذرتا ہے جو ایک فلسفی کا مسلک ہوتی ہیں ایک صوفی مذہب کی راہ میں وہ منزلیں طے کرتا ہے۔ اور ایک صوفی خود روی کی لے میں سید ہا جاتا ہے۔

صوفی منزل پر پہونچکر اطمینان سے بیٹھ جاتا ہے اور فلسفی مڑکر ذرا بے اطمینانی سے دیکھتا ہے - ایک صوفی منزل پر پہونچکر ایک تحقیقات اور تگ و دو کا نتیجہ پالیتا ہے لیکن ایک فلسفی پھر واپس ہوتا اور وادی یقین میں جاتا اور سرگرداں ہوتا ہے صوفی کا شروع جہالت اور اخیر علم و خبرت ہے - خلاف اسکے فلسفی شروع علم و ادراک اور اخیر جہالت یا سرگردانی ہے - یہی وجہ ہے کہ فلسفیوں کا اکثر حصہ صوفیانہ مشرب سے محبت اور تعلق رکھتا ہے -

بعض نے کہا ہے کہ فلسفہ کی اخیر منزل یہی صوفیانہ مشرب ہے - اور اس مشرب پر جاکر فلسفہ کی تکمیل ہوتی ہے - جب فلسفی اس منزل پر پہونچتا ہے - تو پھر واپس نہیں آتا -

شاعر کا کمال بھی اسی حالت میں ہے جب تصوف کی لاگ لگی ہو - جنہیں یہ لاگ نہیں انکی شاعری عموماً روکھی پھیکی ہوگی - یہ ضروری نہیں کہ ایک باضابطہ فلسفی اور صوفی ہی ہوں ضرور یہ ہے کہ طبیعت فلسفی یا صوفی مذاق کی ہو - بہتیرے ایسے بھی ہیں جو فلسفی یا صوفی تو ہیں - لیکن مذاق فلسفیانہ یا مشرب صوفیانہ سے محض کورے اور نابلد ہیں -

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء - اور اکثر ایسے ہیں جو فلسفی اور صوفی تو نہیں ہیں مگر طبیعت میں یہ ولولہ یہ ذوق رکھتے ضرور ہیں انہیں صرف ایک لاگ کی ضرورت ہوتی ہے -

بعض طبیعتیں ایسی بھی ہیں جو منظر قدرت سے بالخصوص ایک نسبت رکھتی ہیں - قدرت کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور چھوٹے چھوٹے کرشموں سے بھی دلاویز

نتیجے نکالنے کی عادی ہیں۔ چونکہ منظر قدرت سے بھی شاعری ایک خاص نسبت رکھتی ہے اسواسطے جو شاعر ایسی طبیعت اور ایسا مذاق رکھتے ہیں وہ مناظر قدرت سے ایک خاص راہ نکالتے اور خاص منازل پر جا پہونچتے ہیں جنہیں۔ مناظر قدرت سے دلبستگی اور دلچسپی رہتی ہو وہ جب سرزمین شاعری میں قدم رکھتے ہیں تو قدرتی دل آویزیوں سے خزانۂ شاعری کو مالا مال کر دیتے اور ہر منظر سے وہ دلچسپی وہ خوبی ڈہونڈ ڈہونڈ نکالتے ہیں کہ سامعین کے واسطے ایک خاص دلچسپی کا سامان موجود ہوتا ہے۔

تاریخی واقعات سے بھی بعض طبیعتیں ایک خاص مذاق رکھتی ہیں بعض لوگ یا بعض طبیعتیں تاریخی واقعات سے بہت تھوڑی نسبت رکھتی ہیں جو اُن کے خاص مذاق میں شمار ہوتی ہے۔ جب ایسی طبیعتیں عرصہ شاعری میں آتی ہیں تو اُن میں ایک خاص جولانی وجدت آجاتی ہے جو اخیر پر اُنکی شہرت اور گرم بازاری کا باعث ہوتی ہے اور انہیں اُن مراتب پر جا پہونچاتی ہے۔ جو مراتب خاص اور ممتاز ہوتے ہیں۔

گرم جوشی

یہ خاصہ یا یہ قوت خاص خاص طبائع کا حصہ ہے۔ اکثر طبیعتوں میں یہ پائی جاتی ہے اور شاید بہت کم طبیعتیں اُس سے خالی ہوں لیکن اُسکا خاص مقدار میں پایا جانا ہر ایک طبیعت میں دشوار ہے۔ بہت کم ایسی طبیعتیں ہیں۔ جن میں یہ پورے مقدار میں پائی جاتی ہو۔ جن طبائع میں یہ پورے طور پر نشوونما

پائی تہی وہ عام طبائع سے الگ ہوتی ہیں۔ اگرچہ دنیا کے ہر ایک کاروبار اور ہر مصروفیت میں اُس کی ضرورت ہے۔ لیکن خاصکر چند فن یا چند کام ہی ایسے نکلیں گے جن میں اسکی لزوماً ضرورت ہے۔

فن شاعری سے بہی اسکو ایک خاص نسبت ہے۔ یا یہ کہ یہ اسکے تناسبات خاصہ میں سے ہے۔ جس شاعر یا جس شاعر کی طبیعت میں یہ جوہر نہیں پایا جاتا وہ شاعر تو ہوتا ہے لیکن اُسکی شاعری میں سوائے شاذ و نادر موقعہ کے جوش و جذب نہیں پایا جاویگا۔ اس جوہر کی فن شاعری کے ہر شعبہ میں ضرورت ہے غمی۔ خوشی۔ بزم و رزم۔ مدح۔ ہجو۔ غزل۔ قصیدہ۔ رباعی۔ مثنوی وغیرہ وغیرہ میں یہی ولولہ روح رواں ہوتا ہے۔ اور اُسی کی بدولت انہیں جادو اثر کہتے ہیں۔ فردوسی کی نظم رزمیہ۔ سعدی اور حافظ کی نظم اخلاقی اور صوفیانہ ہیں کیوں اسقدر دلچسپی اور زور ہے محض اسی خاصہ کی بدولت۔

اوپر کے ہر پانچ تناسبات میں سے تین پہلے طبعی بہی ہیں اور مکسوبہ بہی۔ بعض لوگ اُن میں محض طبعاً کمال رکہتے ہیں جو ایک اعلیٰ معیار ہے۔ اور بعض لوگ بوجہ اکتسابات موقعہ۔

چوتھا تناسب منظر قدرت کی دلچسپی ہے یہ اگرچہ طبعی ہے مگر اس میں بھی ایک طرح کی علتِ اکتسابی معناً موجود ہے کیونکہ بعض لوگ مناظر قدرت کا تماشہ صرف اس جہت سے کرتے ہیں کہ وہ انکی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔

پانچواں تناسب خالصۃً طبعی ہے۔ جب تک طبیعت میں فطرتاً یہ خاصہ نہو تب تک اسمیں کمال حاصل ہونا مشکل ہے۔ اگرچہ انسان کی طبیعت میں وہی

تحریکیں بھی گرم جوشی پیدا کرتی ہیں۔ لیکن اُن کا اخیر اچھا نہیں ہوتا۔
یہ پانچواں خاصہ چار پہلے خاصوں کا حامی یا مؤید بھی ہے۔ انکی نشو و نما بھی
اس خاصہ کی بدولت ہے جس شخص کی طبیعت میں پہلے چاروں خاصے تو ہوں۔
لیکن یہ نہو وہ کسی نہ کسی مقام میں رہجاتا ہے۔ یہ ایک پہیہ ہے جو خود بھی گھومتا ہے
اور اوروں کو بھی گھوماتا ہے۔

شاعروں کے واسطے ضروری ہے۔ یا شاعری کا یہ بھی ایک لازمہ اور درجہ
ہے۔ کہ اُس میں اُن مواد خمسہ کی آمیزش ہو اور لزوماً ہوتی بھی ہے۔ لیکن یہ
ضروری نہیں کہ ایک شاعر فلسفی یا صوفی یا مورخ اور نیچرلسٹ ہی ہو۔ ہاں ضروری
ہے کہ اُس کی طبیعت میں اس قسم کا مذاق اور لاگ پائی جاتی ہو کیونکہ جب تک
اس قسم کی لاگ نہ پائی جاوے۔ شاعری میں جدت۔ دلچسپی شگفتگی و دلاویزی
پیدا نہیں ہوتی اور یہ لاگ اکتساب سے بہت کم ملتی ہے۔

شاعر کے اُن مقتضیات سے مقتضیات شاعری میں جو جدت جو دلچسپی جو
دلاویزی پیدا ہوتی ہے وہ فن شاعری سے منسوب ہوتی ہے اور مجازاً کہا جاتا ہے
کہ یہ فن شاعری کے اختراعات یا استخراجات ہیں[۱]۔ اگر فی الحقیقت ایسی دلاویزی
ایسی جدت محض فن شاعری کے مقتضیات میں سے ہی ہو تو پھر لازم ہے کہ
ہر شاعر کی شاعری میں پائی جاوے۔ حالانکہ ہر ایک شاعر کی شاعری میں یہ مواد
نہیں ہوتا۔ اور بعض کی شاعری اس سے بالکل معرا اور خالی ہوتی ہے۔

---

[۱] بعض فن یا علم ایسے ہیں کہ جن میں صرف انہیں مقتضیات سے کام لیا جاتا ہے جو اس سے
مخصوص ہوتے ہیں۔ جیسے ہندسہ میں انہیں مقتضیات اور انہی اصولوں سے کام لیا جاویگا۔ جو

بعض لوگ قوانین شاعری اور عروض یا اوزان سے پوری پوری مہارت اور واقفیت رکھتے ہیں لیکن اُنکی شاعری میں وہ زور اور وہ جوش نہیں ہوتا۔ جو ایک دوسرے شاعر کی شاعری میں دیکھتے ہیں۔ یہ کیوں صرف اسواسطے کہ یہ دوسرا شاعر اپنے مقتضیات طبعی میں اُس پہلے شاعر سے غالب اور مرجح ہے[1]۔ مقتضیات شاعری جو فن شاعری کے مقتضیات سے جداگانہ ہوتے ہیں اسی درجہ تک فن شاعری میں کام دیتے ہیں جہانتک اُنکی بمصداق کالملح فی الطعام ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اُنسے زیادہ کام لیا جاے تو پھر چونکہ مقتضیات شاعری نظرانداز کئے جاتے ہیں۔ اسواسطے شاعری کا لطف نہیں رہتا مثلاً ایک شاعر اگر تمام اصطلاحات فلسفیانہ سے ہی کام لے تو شاعری کا لطف نسبتاً باقی نہیں رہیگا۔ ہاں اگر فلسفیانہ یا صوفیانہ رنگ سے کلام ممتزج ہو تو اُس میں

بقیہ حاشیہ۔ اسکے متعلق اور مدون ہیں۔ خلاف اسکے بعض علوم اور بعض فنون میں صاحب علم یا صاحب فن کو مقتضیات کا بھی زور ہوتا ہے۔ قوانین شاعری سے ہر ایک شخص واقفیت حاصل کرکے شاعر بن سکتا ہے۔ واقعات کی تالیف یا تلخیص اور ترتیب پر ضرور قادر ہوگا۔ لیکن اگر اسکے اپنے مقتضیات طبعی میں جوش نہیں ہے۔ تو اس کی شاعری میں بھی کوئی جوش اور زور نہیں پایا جاویگا۔ ہر شخص بندوق چلا سکتا ہے اور چلانے پر بسہولیت قادر بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن نشست میں وہی قادر ہوگا جسکی نظر بھی درست ہوگی اور وہی بازی لیجاویگا جو اسمیں ایک اتفاق بھی رکھتا ہے[۱۲]

[1] شاعروں کے درجے صرف اسوجہ سے نہیں ہیں کہ وہ الفاظ بحور اور اوزان میں ایکدوسرے سے امتیاز رکھتے ہیں بلکہ اسواسطے کہ انمیں باعتبار مقتضیات طبعی کے کیا کچھ فرق اور امتیاز ہے اور یہی درجہ بندی ایک واجبی یا حقیقی درجہ بندی ہے[۱۲]

ایک دلچسپی[1] اور جدت پائی جاوگی۔
بیشک ایک شاعر مؤرخانہ شعر کہہ سکتا ہے لیکن اسی پابندی سے کہ شاعری کے مقتضیات کا وجود بھی باقی اور نمایاں رہے صوفیانہ شاعری اس حالت میں دلچسپ اور موثر ہوگی۔ جب اسمیں مقتضیات شاعری کی پابندی ہی ملحوظ اور مرعی رکھی گئی ہو یہ جدا بات ہے کہ بجاے خود مضامین تاریخی یا مضامین صوفیانہ دقیع اور موقر ہوں۔ شاعری ایک ایسا موزوں قالب ہے جسمیں ہر ایک قسم کے مضامین ڈہل سکتے ہیں۔ لیکن انکی خوبصورتی اُسی حالت میں متصور ہے۔ جب وہ قالب بھی ساتھہ ہی نمایاں رہے۔

شاعری کے اقسام

اور

متعلقات

شاعری کی اقسام باعتبار فن شاعری کے وہی ہیں۔ جو عموماً فن عروض یا قوانین شاعری میں بشرح و بسط درج ہیں۔ خواہ کوئی سی زبان ہو یا کسی زبان کی شاعری ہو۔ اُس کی اصولی کتابوں میں اُن اقسام کی بحث کی گئی ہے۔ یہاں ہم اُن اقسام عرفی کا بیان کرنا نہیں چاہتے۔ جو ان کتابوں میں لکھے ہیں بلکہ ان اقسام اور ان

[1] مقتضیات غیر ایسی صورت میں دوسرے رنگ میں لطف دیتے ہیں۔ جب دوسرا رنگ بھی باقی اور نمایاں ہو۔ اگر دوسرا رنگ باقی اور نمایاں نہ رہے تو اسکا وجود ہی کالعدم ہو جاویگا۔ ۱۲

اقسام اور ان متعلقات کا جو اُن کتابوں کے سوا نفس الامر میں اقسام شاعری ہیں جو عرفی طور پر ایسی کتابوں میں مندرج ہیں وہ ایک ترتیبی یا تمیزی قسمیں ہیں فرد۔ بیت۔ رباعی۔ غزل۔ قصیدہ۔ قطعہ۔ مثنوی۔ مرثیہ۔ وغیرہ وغیرہ دراصل تمیزی قسمیں شاعری کی ہیں اور کبھی ان میں باعتبار مضامین کے بھی تمیز کیجاتی ہے۔ مثلاً مرثیہ اور غزل میں ظاہرا فرق ہے۔ غزل اور قصیدہ میں بھی گونہ فرق ہوگا۔ کبھی باعتبار تلخیص مضامین اور نتیجہ کے بھی ان قسموں میں فرق کیا جاتا ہے۔ جیسے غزل اور مثنوی میں۔ مثنوی خواہ واقعی واقعات کے ماتحت لکھی جاوے، خواہ فرضی کیفیات سے، اُسکا مضمون مسلسل اور بذاتہ مستقل ہوگا۔ لیکن غزل یہ کیفیت نہیں رکھیگی۔ غزل کا مضمون مستقل اور مسلسل بہت کم ہوتا ہے۔ بلکہ ہوتا ہی نہیں۔ رباعیات اور قطعات کے مضامین علی ہذالقیاس قصائد اور رباعیات کی ترتیب میں بھی گونہ فرق ہوتا ہے۔

ہم یہاں شاعری کے اقسام اور متعلقات میں وہی قسمیں رکھتے ہیں جو انسانی جذبات اور وجدان سے زیادہ تر وابستہ ہیں۔ ایسی کیفیتیں مندرجہ ذیل صورتوں سے باہر نہیں ہیں۔

(ا) جذباتی۔

(ب) وجدانی۔

ہم ان جذبات سے انکار نہیں کرسکتے۔ جو ہماری ذات میں کم وبیش اعلیٰ قدر مراتب پائے جاتے ہیں کوئی سی ہستی انسانی لیلو۔ اور کوئی سا فرد منتخب کرلو۔ جذبات سے خالی نہوگا۔ یہ جدا بات ہے کہ کوئی فرد انسانی جذبات کا ضابطہ ہو۔

لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی فرد کی ذات جذبات سے معرّا محض ہو۔ جسطرح ایک مشین چند پُرزوں سے مرکب ہوتی ہے۔ اسیطرح انسانی ذات بھی چند جذبات سے مرکب ہے۔ انسان ہڈیوں یا پوست گوشت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جذبات کا۔ بعض نے یہانتک کہدیا ہے کہ روح بھی ایک جذبہ ہی ہے اور جسقدر قوتیں مختلف ناموں سے تعبیر کیجاتی ہیں وہ بھی انہیں جذبات میں داخل ہیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں قوت[1] میں خلل یا نقص آگیا ہے تو اسکا منشا یہی ہوتا ہے کہ ایسے جذبہ کی حالت درست نہیں رہی۔

حاشیہ صفحہ ۱۰۵۔ انضباط جذبات ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کی قوت فاصلہ میں کوئی فرق نہیں لاتی۔ بلکہ اُن جذبات میں ایک جوش اور ایک طاقت پیدا کرتی ہے جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انضباط جذبات سے جذباتی طاقتوں میں ضعف آجاتا ہے وہ ایک غلطی پر ہیں انضباط سے ایک نرالی طاقت پیدا ہوتی ہے نہ کہ ضعف۔ ہاں بے اعتدالی اور بے ترتیبی سے ضرور ان جذبات میں کمزوری پیدا ہونیکا اندیشہ اور خطرہ ہے۔ اگر جذبات کا صحیح استعمال بر موقعہ انضباط ہوتا رہے تو اُن میں دن بدن اور وقتاً فوقتاً ایک ضیاء اور جلا پیدا ہو کر ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ جب ہم کسی معاملہ پر سوچتے اور خاموشی سے غور کرتے ہیں تو ہمارے جذبات میں ایک انضباطی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق عمل سے جذباتی طاقتوں میں ایک روشنی اور ایک طاقت نشو و نما پاتی ہے اور ہم رفتہ رفتہ اس اعلیٰ معیار پر جا پہونچتے ہیں جو ایک اعلیٰ اخلاقی غرض ہے۔ ۱۲

[1] بعضوں نے اسمیں اختلاف کیا ہے۔ کہ قوتیں جداگانہ ناموں سے جو تعبیر کیجاتی ہیں وہ در حقیقت اسقدر ہیں بھی یا نہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ در اصل ایک ہی جذبہ مختلف حالتوں میں کام دے رہا ہے اور موقعہ موقعہ کے اعتبار سے مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں

جذبات ہیں وہ کل مقتضیات جسمانی اور روحانی داخل ہیں جنسے ہر وقت ہمیں سابقہ پڑتا ہے۔ جو جذبات اجسام سے وابستہ ہیں۔ وہ جسمانی تسخیرات اور کیفیات کی جانب مائل رہتے ہیں۔ اور جو جذبات روحانیات سے متعلق ہیں اُنکا تعلق جسمانی کیفیات اور وجدانی کیفیات دونوں سے رہتا ہے۔ جس شخص میں اعلیٰ جذبات یا مزکیٰ جذبات ہوتے ہیں۔ وہ مزکیٰ کیفیات سے زیادہ تر دلچسپی رکھتا ہے اور جسکے جذبات میں تزکیہ کم ہوتا ہے اُسکی کیفیات کا زیادہ تر حصہ ہی کم مزکیٰ ہوتا ہے۔

شاعری کا مدار اکثر کرکے جذبات پر ہے۔ جبتک جذبات کا پورے طور پر ایک شاعر کی ذات میں نشو ونما نہو۔ تب تک اس کی شاعری چلکتی اور منجھتی نہیں۔ اگر شاعری کا مدار جذبات پر نہو تو یہ ضرور ہی تسلیم کرنا پڑیگا کہ شاعری کا بہت سا حصہ جذبات کے تابع یا ماتحت ہے۔ جسقدر جذبات انسان کی ذات میں پائے

بقیہ حاشیہ۔ کہ دراصل اعلیٰ قوت ایک ہی ہو۔ مختلف جذبات اسکے ماتحت ہیں۔ یا اس میں سے نکلتے ہیں سورج کی شعاعیں سورج سے ہی نکلتی ہیں لیکن مختلف اجسام سے ٹکر کھا کر اُن میں حسب اُنکی حیثیت اور قوت قابلہ یا استعداد کے مختلف اثر پیدا کرتی ہیں۔ کسی میں نارنجی رنگ دیتی ہیں۔ کسی میں ارغوانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی میں آسمانی۔ کسی میں سوسنی۔ کسی میں سفید۔ کسی میں سیاہ۔ کسی میں حدت سے سرایت کرتی ہیں کسی میں سردمہری سے۔

اسٹیم میں بیشک ایک طاقت اور ایک زور ہے۔ لیکن اسٹیم کی رفتار یا حدت ظرف کے مناسب حال زیادہ تر ہوتی ہو۔ کانچ یا بلور کے نلکہ میں کچھ اور رفتار ہوگی اور تانبا یا لوہے کے نلکہ میں کچھ اور۔ ۱۲

جاتے ہیں۔ اُن سب کا عکس یا ظل شاعری میں پایا جاتا ہے۔ عالم نثر میں بھی اُنکی جھلک ہوتی ہے مگر شاعری میں بالخصوص اُسکا اظہار ہوتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

"شاعری کیا ہے۔ تلخیص یا بندش جذبات"

"شاعری کیا ہے اپنے اور دوسروں کے جذبات کا ایک خاص ترتیب و سلسلہ سے ظاہر کرنا"

"شاعری کیا ہے مختلف جذبات کا مختلف پیرایوں میں پیش کرنا"

جذباتی شاعری میں شاعر کیا کچھ پیش کرتا ہے۔

"آرزو[1]	"خواہش	"بزدلی
"خوشی و شادمانی	"تمنا	"محبت
"غم و غصہ	"رنج و کلفت	"جرأت
"عیش و عشرت	"عُسر و یُسر	"سرد مہری
"مایوسی و افسردگی	"شکایت	"گرم جوشی
"الفت و محبت	"صبر	"استقلال وغیرہ وغیرہ
"بغض و عداوت	"قناعت	

خواہ کسی رنگ میں شاعری ہو۔ شاعر کے جذبات کا اس میں بہت حصہ ہوگا۔ نہ صرف شاعر کے جذبات کا ہی بلکہ اُن و افعات کے جذبات کا بھی جنہیں شاعر معرض بیان میں لاتا ہے۔ جب ایک شاعر رزمیہ شاعری میں طبع آزمائی کرتا ہے۔ تو ضرور ہی

[1] بعض نے آرزو کے متعلق یہ تشریح کی ہے کہ تمام انسانی جذبات کا سرچشمہ آرزو ہی ہے۔ دراصل آرزو کا نام ہی جذبات ہے۔ جذبہ کیا ہے؟ ایک آرزو۔ آرزو کیا ہے؟ ایک جذبہ۔ ۱۲

کہ اسکا ذاتی جذبۂ شجاعت اور جوانان رزمگاہ کا جذبۂ شجاعت اور جذبۂ عزیمت ہی اشعار۔ ابیات اور بندش نظم سے ظاہر اور عیاں ہو۔ پڑھنے کے ساتھ ہی میدان کارزار عرصۂ قتال و جدال کا سماں آنکھوں میں سما نہ جائے تو سمجھلو جذبہ رزمیہ سے کام ہی نہیں لیا گیا۔

جذبات رزمیہ میں وہ زور اور وہ کشش ہے کہ سچ مچ عرصہ کربلا کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ شاہنامہ فردوسی میں ہر شعر پڑھنے والیکو میدان کارزار کی رہنمائی کرتا ہے جو شاعر عشق و الفت یا درد و سوز کی کہانی لکھتا یا کہتا ہے۔ اگر اس میں جذبۂ درد و سوز اور عشق و محبت کا زور نہو تو اسمیں جادو اثر دلچسپی نہیں رہتی۔ مایوسی کی نظموں میں جب تک مایوسی آمیز سماں نہ دکھایا جاوے کوئی خوبی ہی نہیں ہوتی۔ مناظر قدرت کے بیان کرنے میں انہیں جذبات کی ضرورت ہے۔ جو سانحات کیفیات قدرت کا خاکہ اُتارتے ہیں۔ ایک شاعر ایک سبزہ زار کی تعریف میں اگر خار مغیلاں کا رونا روے تو اُس سے کون خوش ہو سکتا ہے۔ گل و بلبل کے بیان میں انہیں کی زبان سے ترانہ سجتا ہے۔ جب تک بیان گل میں نزاکت گل کا بیان نہو تو نوک خار کا چبھنا اُس سے کہیں بہتر معلوم ہوتا ہے۔

"ہر ملکے و ہر رسمے"

موسیقی میں راگ یا راگنی کے واسطے جیسے وقت مقرر کیا گیا ہے ویسے ہی شاعری کے واسطے بھی باعتبار جذبات باعتبار واقعات باعتبار کیفیات ایک خاص طرز بیان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ جیسے بے وقت راگنی مزا اور لطف نہیں دیتی ایسے ہی خاص طرز بیان کا ملحوظ نہ رکھنا شاعری میں نقص ڈالتا اور بے لطفی پیدا

کرتا ہے۔ رونا اور ہنسا دو کیفیتیں ہیں۔ ہنسنے کے موقع پر رونا اور رونے کے موقعہ پر ہنسنا ایک بے سُری راگنی ہے۔

چونکہ ہماری شاعری کا اکثر حصہ ہمارے اپنے جذبات یا دوسروں کے جذبات کے ماتحت ہے۔ اسواسطے ہر سلیم المزاج شاعر کا فرض ہے کہ وہ باعتبار جذبات کے شاعری کی بنیاد رکھے۔ اتباع جذبات سے یہ مراد نہیں کہ بطریق ناجائز انکا اظہار یا تتبع کیا جاوے۔ کیونکہ بر سبیل ناجائز انکا تتبع بجائے خود عمل ناجائز ہے۔ خود ہمارے جذبات ہی اُسکے مخالف ہیں ہمارے جذبات ہمیشہ اسبات کے متقاضی ہیں کہ اُنکا استعمال جائز طریق سے ہو سکے۔ عشق و الفت۔ خوشی و غم جائز جذبات ہیں اور کوئی اس سے خالی نہیں۔ لیکن اُسی حد تک کہ جو تہذیب اور تزکیہ نفوس کی حد کے اندر اندر ہیں۔ جو شاعر ان حدود خاصہ سے باہر نکل کر انکا استعمال اور اطلاق کرتے ہیں وہ واقعی سوسائٹی میں ایک خرابی لاتے اور گندہ مادہ پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک جائز حد سے باہر جاتے ہیں۔ بیشک اپنے بال بچوں۔ عزیزوں۔ دوستوں سے محبت کرنا لازمی اور لازمہ انسانیت ہے۔ لیکن اس کا بر سبیل ناجائز استعمال اور اظہار اخلاقی حدود سے باہر جاتا ہے۔

شاعروں کے واسطے یہ قید لگا دینا کہ اُنکے کلام میں صحیح جذبات کے دائرہ میں بھی عشق و الفت کے کنایوں اور خصوصیات جائزہ سے کام نہ لیا جاوے۔ اور اُنکا کلام قطعاً ایسے استعارات سے جہانتک کہ صحیح مذاق اُسکی اجازت دیتا ہے۔ معرّا اور خالی ہو۔ اُن جذبات جائزہ کی نفی کرنا ہے۔ جو شاعر اپنے مذاق یا دوسروں کے مذاق کے اعتبار سے معرض بیان میں لانا چاہتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شاعر ایک

قرار واقعی عشق و الفت کی کہانی منظوم پیش کرتا ہے تو اُسے اسکا پابند کردینا کہ اسکے قلم۔ زبان سے ایک لفظ بھی اشارتاً کنایتاً استعارۃً عشق و الفت کے مفہوم میں نہ نکلے تو دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہونگے کہ ایسا قصہ کہانی شاعری پر حرام کردیا جاوے۔ ہم الزامی جواب نہیں دیتے صرف تمثیلاً یہ کہینگے کہ یورپین شاعری چھوڑ ناولوں اور داستانوں میں بھی اسکی پابندی نہیں رکھی گئی۔ خواہ کسی یورپین ناول کا نتیجہ اخیر خوشی یا کامیابی ہو۔ اور خواہ مایوسی اور ناکامیابی۔ دونوں حالتوں میں محبت اور الفت کا انداز موجود ہوتا ہے۔

بیشک ایسے ناول نویس بھی قابل الزام ہیں۔ جو بالخصوص ناقابل سماعت کنایوں اور اشاروں سے کام لیتے ہیں اور ہم انہیں کسی حالت میں بھی قابل ستایش نہیں سمجھتے لیکن جنہیں باعتبار انکے شستہ مضامین کے باہر ہی رکھتے ہیں۔ انکا رجحان بھی طوعاً کرہاً عشق و الفت کی طرف کچھہ نہ کچھہ ہوتا ہی ہے۔

یہاں یہ بحث نہیں کہ ضرور ہی یہ سماں زیر عشق رہے۔ بلکہ یہ بحث ہے کہ اگر ایشیائی شاعری میں عشق و محبت کے ساتھہ اگر کسی شاعر کے کلام میں محض فحش اور گندہ مواد پایا جاتا ہے۔ تو اس سے سب شاعری قابل الزام نہیں ٹھیر سکتی۔ اسپر زور دینا کہ ان مناقص کی وجہ سے جو شاعری میں مزعوم ہیں شاعری ترک ہی کردی جاوے۔ اور اُس سے کوئی ادبی یا اخلاقی فائدہ نہیں۔ ایک یکطرفہ اور نحکمانہ فیصلہ ہے۔ بیشک بہت سی طبعیتیں مذاق شاعری سے بے بہرہ ہیں۔ اور بہت سے لوگ اُس میں خوش کن حصہ نہیں رکھتے۔ لیکن یہ اس امر کی دلیل نہیں ہے۔ کہ فاتحہ خیر ہی پڑھ دیجاوے۔

اگر اس میں واقعی نقص ہیں اور بزرگان سلف یا شاعران قدیم یا شاعران حال کی کوششوں کا نتیجہ زمانہ کی مخالفت ہے۔ تو اُسکی اصلاح جوانان قوم اور لیڈران ملت پر فرض ہے کہ اس کی بیخکنی اور استیصال پر
اگر ہماری شاعری میں یہی روح پھنک جائے اور اُس سرزمین سے شاعر پیدا ہونے لگیں تو زہے قسمت۔

وجدانی شعبہ

شاعری کا دوسرا شعبہ وجدانی ہے۔ یہ شعبہ جذباتی شعبہ پر بھی حاوی ہے۔ یہ وہ شعبہ ہے جس میں شاعری کا دامن زیادہ تر اُن مضامین سے وابستہ ہوتا ہے جو صوفیانہ رنگ یا فلسفیانہ ڈھنگ میں ہوتے ہیں یہ وہ منزل ہے جہاں عشق والفت اور درد و سوز کے کچھ اور ہی معنی اور ہی مفہوم لیا گیا ہے۔ قدرتی مناظر پر اس شعبہ میں کسی اور ہی دُھن میں نظر ڈالی جاتی ہے۔ اس منزل پر شاعر اسوقت فائز ہوتا ہے۔ جب وہ تمام جذباتی منزلیں طے کر چکتا ہے جو ابتدائی رنگ میں پیش آتی ہیں۔ شاعر اس منزل میں تمام جذبات نفسانی سے احتراز کرتا اور جذبات روحانی سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ اگرچہ باعتبار لوازم انسانیت اُسکے نادر کلام میں جذبات نفسانی کا شائبہ بھی ہوتا ہے۔ مگر فی الاصل اُسکا رُخ روحانیات کی طرف ہی جُھکتا جاتا ہے

۸/۲۱ (۲۵)

شاعری باعتبار مختلف واقعات درد و سوز و باعتبار تفریح

شاعری اپنے آثار اور نتائج کے اعتبار سے عموماً مندرجہ ذیل صورتوں میں تقسیم کیجا سکتی ہے۔

(۱) متعلق بہ عام واقعات۔

(۲) متعلق بہ خاص واقعات۔

(۳) متعلق بہ درد و سوز۔

(۴) متعلق بہ تفریحات۔

شاعر اُن واقعات کی بحث یا تلخیص بھی کرتا ہے۔ جو عام ہوتے ہیں جنپر دوسروں کی نظر تک نہیں پڑتی یا لوگ اُنہیں معمولی سمجھتے ہیں۔ یہ شاعر کی ایک باریک بینی اور جزو رسی ہے۔ کہ اُس کی دوربین نگاہوں سے ایسے واقعات بھی نہیں بچ سکتے۔ شاعر کبھی کبھی اُن راہوں اور اُن کوچوں سے بھی گذرتا ہے جو بالکل بند پڑے ہیں۔ یا جنہیں لوگ کھنڈرا ور غیر آباد جانتے ہیں۔ گو عام لوگونکی جلد باز نگاہوں میں ایسی راہیں یا ایسے کوچے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ مگر شاعر انہیں کھنڈرات اور غیر آباد اماکن سے نتیجہ خیز باتیں انتخاب کرلاتا ہے۔ جب شاعر کی زبان سے لوگ ایسی باتیں سنتے ہیں۔ تو انہیں حیرت ہوتی ہے کہ ان خشک مادوں میں یہ اثر یہ جذب یہ دلچسپی کیونکر آگئی۔ اور ان اُجاڑ کوچوں میں یہ شادابی یہ رونق کیسے ہوگئی۔ لوگ یہ نہیں

سے سمجھتے۔ شاعر جن آنکھوں سے ایسے مناظر دیکھتا اور جن کانوں سے ایسے واقعات سنتا ہے۔ وہ کچھ اور ہی بصیرت اور قوت رکھتے ہیں۔

جگنو۔ کیڑے۔ مکوڑے اور پتنگے اور معمولی حادثات ارضی اور سماوی میں عام لوگ کوئی بھی دلچسپی اور کشش نہیں پاتے۔ لیکن ایک شاعر انہیں میں ایک حیرت خیز کشش پیدا کر کے دکھا دیتا ہے برگ شکستہ اور استخوان بوسیدہ عام لوگوں کی نگاہوں میں کیا کچھ دلچسپی اور ندرت پیدا کر سکتی ہے۔ ہزاروں کیا لاکھوں برگ شکستہ اور صدہا استخوان بوسیدہ لوگوں کی نگاہوں سے گذرتی اور پاؤں تلے آتی ہیں۔ لوگ اپنی اپنی دُھن میں گذر جاتے ہیں۔ لیکن ایک شاعر دوربین کی آنکھوں سے پوچھ کے دیکھو کہ

"وہ ایک بوسیدہ استخوان اور برگ شکستہ کی تہ میں کیا کچھ عجائبات اور کیا کچھ عبرت خیز اسباق پاتی ہیں۔ ایک برگ شکستہ یا ایک بوسیدہ استخوان ایک غائر شاعر کی طبیعت میں جو جو خیالات پیدا کر سکتی اور جن جن منازل سے لیجاتی ہے۔ اُن سے عام طبیعتیں کیسی آگاہ ہو سکتی ہیں۔ ؎

برگ درختان سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار

شبنم موسم میں ہمیشہ پڑتی ہے اور مینہ روز و شب برسا ہی کرتے ہیں۔ قطرات بارش اور مینہ کی بوندیں کم و بیش گرا ہی کرتی ہیں۔ اگرچہ ایک زمیندار اُس سے خوش ہو سکتا ہے۔ لیکن اور لوگ اُن سے کیا کچھ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ ہاں عیش پسند طبع تھوڑی دیر کے لئے چھاچھم اور مینہ کی پوہار سے خوش ہوتے تو ہو لئے۔

لیکن ایک خوش خیال شاعر ان واقعات سے بھی اُن اعلیٰ نتائج پر پہونچسکتا ہی جو دوسری طبیعت کے لئے ایک اچنبھا ہوتے ہیں۔ باغوں میں کون نہیں جاتا اور گل و گلزار سے کس کی چشم آشنا نہیں ہوتی۔ نالۂ بلبل کون نہیں سنتا۔ اور صدائے کوئل اور کوکوے قمری کس کے گوش ہوش میں نہیں پڑتی۔ چاند کون نہیں دیکھتا اور آفتاب عالمتاب کس کی نگاہوں میں طلوع و غروب نہیں ہوتا خزاں اور بہار کے موسم سے کون واقف نہیں۔ پر ایک شاعر نازک خیال جن نگاہوں سے یہ تماشا کرتا اور جس دل و دماغ سے حیرت خیز اور دلکش نتائج نکالتا ہے وہ دوسروں کے کہاں نصیب۔

جنہیں ایک فلسفی بھی قابل التفات نہیں پاتا یا جو واقعات عام ایک فلاسفر کی نظر میں بھی قابل خطاب نہیں ہوتے۔ نازک خیال شاعر انہیں کی جانب رجوع کرتا اور انہیں سے مخفی خزائن نکالتا ہے۔

عام واقعات سے گزر کر شاعر کی نگاہیں خاص واقعات یا خاص کیفیات پر پڑتی ہیں وہ ان حادثات اور اُن وقوعات پر طبع آزمائی کرتا ہے۔ جو قوموں اور ملکوں کی رسوم معاشرت۔ تہذیب۔ تمدن۔ ادب۔ اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ تمام ایسے واقعات کی تنقید کرتا اور تمام ایسی کیفیات کو ایک سلسلہ میں لاکر پیش کرتا ہے۔ شاعر گو مورخ اور مقنن نہیں ہوتا مگر اسکا طرز بیان اور طرز اظہار تاریخ یا قانون سے چنداں دور بھی نہیں ہوتا گو شاعر مارل فلاسفی کا موجد یا واعظ نہیں ہی۔ مگر اسکے مشتق سلسلہ میں مارل فلاسفی داخل ہوتی ہی۔ گو وہ کسی فوج کا جنرل اور کمان افسر نہیں ہوتا مگر فوجی واقعات کا انتخاب اس

خوبصورتی سے کرتا ہے کہ اُن میں ایک روح یا جان ڈالدیتا ہے۔

چونکہ وہ تلخیص کے فن میں استاد ہوتا ہے۔ اسواسطے بڑی بڑی مبسوط جنگی تاریخیں اُسی کیطرف رجوع لاتی اور اسی کے جادو رقم قلم سے زیب تلخیص پاکر ملک و قوم میں شہرت پاتی ہیں۔

گو شاعر مولوی یا پنڈت یا پادری نہیں ہوتا۔ مگر جب مذہبی پیرایہ میں اپنے فن کے ذریعے سے دعا یا پرارتھنا کرتا ہے تو دلونکو ہلاتا اور روحونکو لرزاتا ہے۔ ہنستونکو رلاتا اور روتونکو جلادیتا ہے۔ اسکی کہی ہوئی مناجاتیں بڑی بڑے گرجاؤں اور مسجدوں اور مندروں میں عزت و احترام کیساتھ بار پاتی اور بڑے بڑے مقدس مذہبی لوگونکی زبانوں سے بہ عجز و الحاح سنی جاتی ہیں۔ گو اُسے کوئی منبر پر جگہ ندے لیکن اس کی نظم و لکش ہمیشہ زیب منبر اور رونق محفل ہوتی ہے۔ گو دربار شاہی میں اُسے کوئی نہ پوچھے۔ مگر اسکے جادو آمیز مقولات بادشاہونکی زبانوں اور دلونپر سکہ جمائے ہوئے ہیں۔

ان دونوں قسم کے واقعات یا کیفیات سے گذر کر تیسرا درجہ درد و سوز کا ہے۔ یہ حصہ خاصکر شاعروں کے حصہ میں ہی آیا ہے۔ ہر شخص کے دل میں درد اور سوز ہوتا ہے کوئی فرد بشر اس سے خالی نہیں۔ لیکن نباہتا اسے شاعر ہی ہے یا یہ کہ فن شاعری میں ہی اس کی کیفیت کھلتی ہے۔ نثر میں بھی درد اور سوز کے قصے کہانیاں کہے جاتے ہیں اور وہ موثر بھی ہوتی ہیں۔ لیکن جو لطف اور جو جدت اور جو کشش خاکہ نظم میں ہوتی ہے وہ نثر میں کہاں۔ جو زور اور جو جدت ایک لب یا ست یا ایک جو کھر میں ہوگی وہ معمولی حالت میں کہاں۔ جن

مواد سے عطریات بنتے ہیں اُن میں خوشبو تو ضرور ہوتی ہے۔ اس سے انکار نہیں لیکن عطریات میں جو خوشبو ہوتی ہے۔ کیا وہ اُن معمولی مواد میں ہوتی ہے یا وہ اصلی خوشبو عطریات کی خوشبو کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ یہی نسبت نثر اور نظم یا شعر میں ہے۔

شور و غوغائے بلبل از عشق ست
ورنہ ایں بازمشت پر معلوم

یہ بحث کہ شاعری کو درد و سوز سے کیوں خصوصیت ہے۔ بجائے خود ایک جداگانہ بحث ہے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ نثر میں درد و سوز کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہوتی ہے مگر نہ اسقدر جیسے شاعری میں۔ شاعری دوسرے الفاظ میں واقعات پیش آمدہ اور کیفیات عائدہ کا ایک خلاصہ ہوتا ہے خلاصہ میں جب تک طاقت اور زور نہو وہ صحیح کیفیت کی تشریح نہیں قرار دیا جاسکتا اور طاقت یا زور اسوقت پیدا ہوتا ہے۔ جب خود شاعر کے دل میں ایک غیر معمولی جوشش پایا جاوے۔ جوش اُس وقت تک نہیں پیدا ہوتا۔ جب تک شاعر کے رگ و ریشہ میں درد اور سوز کی بجلی ساری نہو۔ درد اور سوز کی طاقت گو علی قدر مراتب طبعی بھی ہوتی ہے۔ لیکن جب شاعر مختلف کیفیتیں دیکھتا اور اُنپر نظر غائر ڈالتا اور اُن میں سے نتائج نکالتا ہے تو اسکی دل میں خود بخود درد اور سوز کی چنگاری پیدا ہوجاتی ہے۔ ہر جسم میں حرارت کا مادہ مودع ہے۔ ہر وقت اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

درد و سوز اسیوقت پیدا ہوتا اور اُسی دل میں نشو و نما پاتا ہے۔ جسمیں

عشق و الفت کی رمق ہوتی ہے۔[ل] رمق عشق و الفت دراصل ایک حرارت یا ایک قسم کی آتش باطنی ہے۔ بمصداق

"اَلعِشقُ نَارٌ یُحرِقُ مَاسِوَای اللّٰہ"

جب ایک شاعر کوچۂ سوز و درد میں آتا اور عشق و الفت کی راہوں سے گذرتا ہے تو اسکا تمام کلام رنگِ سوز و درد اور عشق و الفت سے ہی رنگا جاتا ہے۔ اسکے ہر شعر اور ہر بیت میں درد کی کیفیت اور سوز کی حالت بھری ہوتی ہے۔ اسکے ہر فقرہ میں نشترِ سوز کا ثبوت ملتا اور اسکا ہر جملہ سم درد میں بجھا ہوتا ہے۔

مولانا حالی کے مسدس میں جو درد اور جو سوز ہے اُس سے قوم اور ملک ناواقف نہیں۔ یہ کیوں صرف اسواسطے کہ مولانا حالی کا گذر ہی اس کوچہ سے ہوا۔ جو سوز و درد سے لبالب تھا۔ کہانی ہی ایسی تھی جس میں سوز و درد کوٹ کوٹ کے بھرا تھا۔ مولانا اکبر الہ آبادی کی رباعیات کیوں دلوں پر اثر کرتی ہیں۔ اسواسطے کہ دل سے نکلتی اور آب سوز میں بجھی ہوتی ہیں۔

دبیر و انیس کے مراثی بہت اچھے بہت فصیح و بلیغ ہیں جو درد اور جو سوز اُن میں پایا جاتا ہے۔ وہ کسی اور میں کیوں ہوگا۔ دبیر اور انیس گذرے ہی ایسے کوچوں سے جو سراسر درد اور سوز ہی تھے۔

ظفر۔ اقبال۔ نیرنگ۔ ناظر۔ ارشد۔ ناظم۔ اشہری۔ شوکت۔ احسن۔

[ل] عشق سے ہمیشہ مراد مکروہات لینا درست نہیں۔ عشق ایک لطیف مادہ ہی جس کی خلقت نری لہو ولعب کے ہی واسطے نہیں بلکہ اسکا مطلب و غرض کچھ اور ہی ہے اور دنیا کے اکثر کاروبار اور تعلقات کا اسی پر مدار اور انحصار ہے۔ ۱۲۔

اعجاز - داغ - اکبر - شاد - آزاد - نظیر - طالب بنارسی - مسیح - سرور جہان آبادی شاطر - امیر - حسرت موہانی - وغیرہم جب کبھی پُردرد - پُرسوز - کوچوں سے گذرتے ہیں تو اُس رنگ اُس لے میں گذرتے ہیں جو تماشاے درد و سوز دکھاتی ہے باوجود سخت احتراز اور اجتناب کے انہیں بھی استعاراتِ درد و سوز سے کام لینا ہی پڑتا ہے۔

اس رنگ میں اعتراض کرنا کہ واقعات یا کیفیات درد و سوز میں عشق و الفت یا سوز اور درد کے الفاظ کا استعمال نہ کیا جاوے۔ یا یہ کہ نامور اور مشہور یا پاکیزہ خیال شاعروں کا کلام بھی ایسے استعارات سے ناپاک ہو جاتا ہے ایک انوکھا خیال ہے۔ پاکیزہ سرشت شاعرونکے کلام میں اس قسم کی استعارات اور الفاظ کا پایا جانا صرف ضرورتاً ہوتا ہے نہ کہ واقعی ان اعتبارات سے کہ نعوذ باللہ وہ لوگ اس روش یا اس عمل کے دلدادہ ہیں۔

مرزا غالب کی نسبت یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انکے اشعار میں ایسے الفاظ کا استعمال محض علمی رنگ سے تھا۔ کوئی شک نہیں کہ مرحوم مرزا غالب بعض منہیات سے مانوس تھے۔ لیکن جہاں مرزاے موصوف نے اُن منہیات کی صریح الفاظ میں مذمت کی ہے۔ وہ کیوں نظر انداز کئے جاتے ہیں۔ کیا وہ مرزاے موصوف کے استعمالِ الفاظ مکروہ کا کفارہ نہیں ہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاے کہ مرزاے موصوف نے جان بوجھ کر کثرت سے ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ تو اُس سے اُنکا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ لوگ انہیں اپنا دستور العمل یا دستمبو بنالیں اکثر اوقات شاعر شراب گل و بلبل زلف و رخسار خال و خط کا استعمال محض

مثال یا استدلال مثالی کے طور پر کرتے ہیں۔ اکثر شاعروں کا یہی مسلک ہے۔ جب کوئی شاعر شراب بیخودی ساغر الفت وغیرہ وغیرہ الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد سچ مچ کی شراب اور ساغر نہیں ہوتا۔ پرانے اور گذشتہ شاعروں کا یہی مسلک نہ تھا۔ جدید خیالات کے شاعروں میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔

جولائی ۱۹۰۵ء کے پرچہ میں خان بہادر اکبر الہ آبادی کے چند شعر چھپے ہیں اُن میں سے دو شعر یہ ہیں ؎

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا — بُت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش — طالب زمزمۂ بلبل شیدا نہ ملا

ان دو شعروں میں مولانا خان بہادر اکبر لفظ بت گل و بلبل۔ شیدا زمزمہ لائے ہیں۔ کیا اُسلئے یہ سمجھا جاویگا کہ مولانائے موصوف بھی گل و بلبل کے شیدائی اور دلدادہ ہیں۔ شاعر آخر چند واقعات اور کیفیات بیان کرتا ہے اور خیالی یا قیاسی مناظر کی اپنے پیرایہ میں کیفیت سناتا ہے وہ مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ تماثیل یا نظائر یا ضرب الامثال سے کام نہ لے یا اُن شاعرانہ استدلالات کا استعمال نکرے۔ جو اس سرزمین میں مروج ہیں۔ ہاں بالکل ہی ناشائستہ رموز میں گھر جانا بیشک تہذیب اور روش شائستگی کے خلاف ہے جیسے کہ سابق اور حال کے بعض شاعر کرتے ہیں لیکن انکی نسبت یہ بحث باقی رہیگی کہ وہ شاعری مذاق رکھتے کہانتک ہیں۔

بدنام کنندۂ نکونامے چند

جسطرح اب ہندوستان میں ہرکس و ناکس ناول نویسی کے خبط میں سرگرداں و سرشار ہے۔ اسی طرح شاعری کا جنون بھی زوروں پر ہے۔ بیشک ایسے لوگوں کی شاعری اور نظم ننگ شاعری اور رسوا ئے نظم ہے۔ ایسے شاعروں کی بدولت پاکیزہ طینت شاعروں اور ناظموں کو بھی نظر وقعت اور نگاہ حرمت سے گرادینا انصاف نہیں۔

درد اور سوز کے بعد تفریحات کا نمبر ہے۔ جو شخص یہ کہتے ہیں کہ شاعری اور تفریح میں کوئی نسبت نہیں وہ غلطی کرتے ہیں اگر درد و سوز سے نسبت ہے تو تفریحات سے بھی ہے۔

شاعری دو زندگیاں ہیں:۔

" ایک زندگی اپنے لئے۔

" اور ایک دوسرے کے لئے۔

اگر وہ رولاتا ہے تو ہنسانا بھی اُسی کا فرض ہے۔

جسطرح درد و سوز ایک طبعی خاصہ ہے اور نسبتاً اُس سے کوئی شخص خالی نہیں اسیطرح تفریحات بھی طبعی خواص میں داخل ہیں۔ ہر انسان کی خواہش اور آرزو رہتی ہے۔ کہ اُسے تفریح حاصل ہو۔ شاعر کبھی تفریح کسی کی مدح اور تعریف سے حاصل کرتا ہے۔ اور کبھی کسی کی ہجو اور مذمت سے۔ کبھی مذاقیہ اشعار سے اور کبھی ظرافت آمیز اشعار سے۔ کبھی اپنے لئے تفریحی مضامین کی تلاش کرتا ہے اور کبھی دوسروں کی خاطر اُن کوچوں سے گذرتا ہے کبھی سادہ مضامین سے تفریح کے سامان مہیا کرتا ہے۔ اور کبھی دور دور سے مضامین تفریحی ڈھونڈ ڈھونڈ لاتا ہے،

انسان جیسے مختلف مناظر مختلف الوان۔ مختلف اجسام۔ مختلف کیفیات۔ مختلف
واقعات۔ سیر باغات۔ باہم میل جول۔ باہمی مکالمت۔ سیر و سیاحت تصاویر۔
نقوش سے تفریح حاصل کرتا اور حظ اٹھاتا ہے۔ ایسے ہی نثر اور نظم کے مضامین
سے اسکے دل و دماغ تر و تازہ ہوتے اور حظ اٹھاتے ہیں۔

شاعری یا نظمیہ مضامین سے دو قسم کی تفریحیں حاصل ہوتی ہیں۔

(۱) تفریحات خاصہ

(۲) تفریحات عامہ

پہلی قسم کی وہ تفریحات ہیں جو محض ہنسی اور مذاق یا عوارض سے وابستہ
نہیں ہوتیں۔ اُنکا سلسلہ حقایق یا کیفیات خاصہ سے ملا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شعر
یا ایک نظم باعتبار اپنے غوامض اور لطائف یا لوازمات کے ایک سمجھدار دل
و دماغ پر جو اثر کرتی ہے اور اُس سے جو کچھ تفریح اور حظ حاصل ہوتا ہے وہ ایک
خاص تفریح ہے۔ شاعر ایک واقعہ کی بندش اور اظہار نہایت لطافت اور نفاست
سے کرتا ہے۔ اگرچہ عوام الناس اُسکی نزاکت اور باریکیوں سے متاثر نہیں ہوتے
مگر ایک نازک خیال اُس سے بھی ایک کامل حظ[1] اُٹھاتا ہے۔ بہت دفعہ لوگ جو ضرب الامثال
فقرات اشعار ابیات سے متاثر ہوتے اور اُنکے دل و دماغ پر ایک فوری
اثر پڑتا۔ اور اُنکے چہروں اور حرکات سے فوری تاثر کا استدلال ہوتا ہے۔ اسکا

[1] تفریح اور حظ میں باریک فرق ہے تفریح ایسی کیفیات سے بھی ہوسکتی ہے جو بالکل معمولی اور عامیانہ ہوتی
ہیں اور انکا اکثر حصہ عارضی بالائی ہوتا ہے۔ آثار حظ بمقابلہ تفریحی آثار کے دیرپا اور گہرے ہوتے ہیں
تفریح میں کبھی کبھی صرف دل ہی متاثر ہوتا ہے حظ میں دل و دماغ دونو متاثر ہوتے ہیں۔ ۱۲

موجب کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہوتی۔ بلکہ اُن فقرات اور اشعار کی مضامین لطیفہ یا بندش کا اثر ہوتا ہے۔

میرزا صائب جو ایران میں بیٹھے بٹھائے غنی کشمیری علیہ الرحمۃ کے ایک ہی شعر پر لٹو ہو گئے۔ اسکا موجب کیا تھا۔ وہی مضمون لطیف اور بندش عجیب صرف رویت اور مشاہدہ سے تفریح اور حظ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک قسم کے احساس اور گفت و شنود سے بھی۔ ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تفریح سے مراد صرف ہنسی سرور یا مذاقیہ حالت ہی۔ یہ درست نہیں۔ تفریح سے مراد ایک اثر ہے۔ جو دل و دماغ پر ہوتا ہے اور جس سے انسان اپنے وجدان میں ایک ایسا سرور پاتا ہے جو اُس سے پہلے حاصل نہ تھا۔ جب انسان پھول سونگتا اور خوشبو لیتا ہے تو اُس وقت نہ تو وہ ہنستا اور نہ قہقہہ مارتا ہے۔ لیکن اُسکے دل و دماغ میں ایک تفریح اور سرور آ جاتا ہے جب ایک لفریب سینری یا ایک منظر دیکھا جاتا ہے تو ہم اپنے دل میں ایک فرحت اور ایک اُمنگ یا سرور پاتے ہیں۔ حالانکہ ہنسی اور کھیل کی کوئی بات یا موقعہ نہیں ہوتا۔

بعض اوقات کیفیاتِ درد آمیز سے بھی انسان کے دل میں ایک کیفیت طاری ہوتی ہے اور اس میں ایک سرور ہوتا ہے۔ ایسا سرور ہزاروں تفریحات اور حظوظ سے زیادہ دلکش۔ زیادہ جذاب۔ زیادہ خوشنما لگتا ہے۔ درد اور سرور

یا حظ اور تفریح یا یوں کہو کہ خوشی شادی اور ورد میں بھی ایک بار ایک نسبت ہے۔ ایک درد بھی ایسا ہوتا ہے۔ جس میں ایک قسم کا سرور یا تفریح اور خوشی ہوتی ہے اور ایک خوشی بھی ایسی ہو سکتی ہے۔ جو اپنی تہ یا ظہور میں بھی ایک درد رکھتی ہو۔ جب ایک انسان کسی عزیز کسی مدت کے بچھڑے سے ملتا یا ناگہانی کسی کامیابی یا کسی فتوح کی خبر سن پاتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونے لگتے ہیں۔ یہ کیوں۔ دل میں تو اسکے ایک مسرت اور بہجت ہے اسواسطے کہ وہ خوشی اور وہ مسرت اُن گذشتہ واقعات کی یاد دلاتی ہے جو اس واقعہ کے متعلق دردخیز یا یاسی آمیز تھے۔ اسیطرح ایک درد میں تفریح اور سرور بھی ہوتا ہے ایک عشق زدہ کی پُردرد کہانی سنکر لوگ رو تو ضرور دیتے ہیں۔ لیکن انکے دلوں میں ایک قسم کا سرور بھی ہوتا ہے جو انہیں مدت تک نہیں بھولتا۔

بعض وقت کنج عزلت میں وہ لطف اور وہ مزا یا وہ تفریح ہوتی ہے جو خلوت اور جلوت میں نہیں ہوتی۔ جنہیں مطالعہ کا شوق و ذوق ہے وہ اس میں ایک قسم کی لازوال اور گہری خوشی اور تفریح یا حظ پاتے ہیں جو اور کسی نظارے سے انہیں میسر ہی نہیں آتی۔

بعض لوگ عالم خموشی میں ہی وہ تفریح پاتے ہیں جو بعالم کلام مشکل سے نصیب ہوتی ہے۔ ؎

اگرچہ نطق در ہر نکتہ صد تنگ شکر دارد
ولے شہد خموشی در نظر شان دگر دارد

دوسری قسم کی تفریحات عامہ ہیں۔ اُن میں بھی شعرا کا حصہ بجزوہ ہے کبھی

شاعر اپنی تفریح کیواسطے ایسے سامان بہم پہونچاتا ہے۔ اور کبھی دوسرونکے لئے کبھی ایسی تفریحات سے یہ مراد ہوتی ہے کہ لوگ اُنسے بحالت تفریح اخلاقی سبق لیں اور کبھی محض تفریح۔ لوگ تاش۔ چوسر۔ گنجفہ جب کہیلتے ہیں۔ تو اُنپر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ لیکن جب ایک شاعر تفریحی مضامین باندہتا اور ایک اچھے یا عجیب پیرایہ میں پیش کرتا ہے تو اسے مطعون کیا جاتا ہے۔ بعض وقت لوگ شاعر کے واسطے ایک ایسا درجہ تجویز کرتے ہیں۔ جو تمام قسم کی جائز تفریحات اور مناسب حظوظ سے دور ہوتا ہے۔ شاعر کے لئے یہ ایک نامنصفانہ سزا ہے۔ شاعر بہی آخر ایک انسان اور انسانی سوسائٹی کا ممبر ہے۔ وہ بہی ان تفریحات اور اُن حظوظ میں شریک و سہیم ہے جو اس کی سوسائٹی میں منائی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لوگ کسی اور طریق سے مناتے ہیں۔ اور وہ کسی اور ڈہنگ سے۔ معما۔ چیستان۔ پہیلی۔ کہہ مکرنی وغیرہ وغیرہ شاعرانہ تفریحات میں جہاں اُنسے یہ غرض ہوتی ہے کہ لوگ انہیں دریافت کرکے دماغی طاقتیں بڑہائیں۔ وہاں یہ بہی مقصود ہوتا ہے کہ اُنسے ساتہہ کے ساتہہ ایک تفریح بہی ہوتی رہے۔

بیشک بعض پرانے شاعرونکے دواوین میں ہزلیات کا خلاصہ بعض دفعہ مکروہ اور گندہ معلوم ہوتا ہے اور بعض ہزلیات میں تو بہت ہی گندا اور فحش ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ قیاس نہیں ہوسکتا کہ انہیں تفریحات میں شامل ہونیکا کوئی حق ہی نہ تہا یا یہ کہ اُنکے ایسے گندے فحش ہزلیات سے تمام ذریات شاعری ہی پایۂ اعتبار سے گرجاتی ہے۔ ہم زور سے اسکے معترف ہیں کہ ایسے گندے ہزلیات علم ادب کے منافی اور مخرب ہیں اور لوگوں

کے اخلاق پر ان کا اثر برا ہوتا ہے - اور لازمی ہے کہ یہ طریق عمل روکا جاوے۔
یہ خدا کا شکر ہے کہ شاعروں کی نئی پود یا نئی جماعت اس طرف بہت کم متوجہ ہے شاید کسی روز اسکا نام و نشان ہی نہ رہیگا اور نہ ہی رہنا چاہیے۔
لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم چند مناقص شعری یا ہزلیات کی وجہ سے کل مواد شاعری سے ہی مُنہ پھیر لیں اور ایک ہی لاٹھی سب کو ہانکیں۔ ؎

نہ ہر زن زن ست نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

نظیر اکبرابادی نے گلہری کا بچہ اور کوڑی کے تین تین و قس علی ہذا بہت سی منظومات کہی ہیں۔ سعدیؒ اور دیگر شعراے نامدار نے بھی ہزلیات میں کچھہ کچھہ کہا ہے۔ باوجود ہزلیات کے اُن میں بھی ایک لطف مودع ہے۔ کوڑی کے تین تین اگرچہ ظاہر میں کچھہ بے ڈھنگا سا جوڑ ہے - مگر اس سماں میں بھی جو فلاسفی بھری ہے۔ وہ سوچنے والے ہی جانتے ہیں۔ اکومی اور کفایت شعاری کی اس سے ضرورت نکلتی۔ اور ایسے مضامین پر یہ نظم روشنی ڈالتی ہے۔
میں نہیں جانتا ایسے مواد سے کس قوم یا کس ملک کی شاعری کا خزانہ خالی ہے۔ ظرافت اور مزاح ہر قوم اور ہر ملک میں ہے۔ انگریزوں کی قوم تمام یورپ میں خشک مزاج شمار ہوتی ہے۔ مگر ان میں بھی مزاح اور ظرافت موجود ہے۔ بیسیوں کتابیں ظرافت پر ہی لکھی جاچکی ہیں۔ بعضوں کا گذارہ ہی اسی پر ہے۔ مارک ٹوین اسی ظرافت کی بدولت زمانہ اور اقوام میں مشہور ہے بیشک یہ تسلیم کیا جاویگا۔ کہ ظرافت گندی بھی ہے اور شائستہ بھی۔ گندی ظرافت

سے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور شائستہ سے دل و دماغ میں ایک قسم کی فرحت اور تازگی آتی ہے۔ لیکن کیا ثابت کیا جا چکا ہے کہ۔

" ہماری کُل شاعری خدا نخواستہ گندہ گو یا خواہش پرست ہیں۔

" کوئی مشرقی شاعر بھی شائستہ گو اور مہذب نہیں۔

" ہر مشرقی شاعری میں ناموزوں کلمات اور فقرات ہیں۔

حاشا وکلا یہ کہنا یا ایسا خیال کرنا واقعات کے سخت خلاف اور حقیقت کے من وعن مغایر ہے۔

اگر مشرقی شاعری۔ فارسی۔ عربی۔ ہندی۔ اُردو۔ کے ذخائر سے اخلاقی تمدنی۔ سوشل۔ فلاسفرانہ۔ حکیمانہ۔ صوفیانہ۔ مذہبانہ۔ تمثیلانہ۔ نظیرانہ اشعار کا انتخاب کیا جاوے تو بیسیوں مبسوط کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔ اور یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ہمارے شعرائے مشرقی نے علم ادب فلسفہ۔ اخلاق۔ فلسفۂ صوفیہ۔ تمدن۔ سوشل ضروریات کے لئے کیا کچھ سامان مہیا کیا ہے۔

شاعری کا نتیجہ یا شاعر کے علمی جذبات

ہر فن کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ہوتا ہے یا ہونا چاہئے یا یہ کہ دنیا میں کوئی ایسی ترکیب یا ایسا عمل نہیں ہے۔ جسکا کوئی نہ کوئی نتیجہ نہو عام اس سے کہ وہ نتیجہ بذاتہ کیسی ہی حیثیت باعتبار نقص اور عمدگی کے رکھتا ہو۔ اور عام اس سے کہ ہمیں اُس نتیجہ سے بلحاظ علمی اعتبارات شناسائی ہو یا نہو۔

ہر فن یا ہر علم کے نتائج مختلف صورتیں یا مختلف قسمیں رکھتے ہیں۔ کبھی کسی فن کا ایک ہی قسم کا نتیجہ ہوتا ہے اور کبھی ایک سے زیادہ قسمیں بھی ہوتی ہیں۔ فن شاعری کے نتیجے مندرجہ ذیل اقسام سے ہو سکتے ہیں۔

(الف) مذاقی یا جذباتی۔

(ب) ادبی۔

(ج) اخلاقی۔

(د) تفریحی۔

(ہ) علمی۔

(و) عشق مذاقی یا جذباتی۔

ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہماری طبیعت میں ایک ایسی حالت بھی پائی جاتی ہے جسے ہم مذاق یا قوت ذوق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ایک ایسی حالت بھی موجود ہے جسے جذبہ یا جذباتی کہا جاتا ہے۔ ذوق بھی دراصل کسی نہ کسی جذبہ کے ہی تابع ہے۔ عام اس سے کہ کسی قسم کا ذوق ہو۔ ہر شخص اپنی طبیعت پر غور کر کے پتہ لگا سکتا ہے کہ اس کی طبیعت میں کس قسم کا ذوق پایا جاتا ہے۔ یا وہ کس ذوق کی پابند ہے۔

لے ذوق کا مرادف میلان بھی ہے۔ اور ذوق اور میلان مختلف اقسام رکھتے ہیں۔ اور یہ مختلف قسمیں ہر طبیعت میں پائی جاتی ہیں۔ یا یہ کہ ہر طبیعت انکی حامل ہے۔ مقدار میلان میں بیشک فرق ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی طبیعت میلان یا ذوق سے مبرّا اور خالی ہے۔

ذوق یا میلان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ذوق غالب۔

۲۔ ذوق عام۔

پہلی شق کا وہ ذوق ہے۔ جو تمام دیگر اذواق اور میلانوں پر غالب اور فائق ہوتا ہے۔ اور ایک طرح سے گویا طبیعت ثانی ہو جاتا ہے۔ وہ ایک طبعی عادت ہوتی ہے جس میں کمی نہیں آسکتی اور انسان بغیر اسکے چین نہیں پاتا۔

دوسری شق کا وہ ذوق ہے۔ جو ایک مختص جہت سے غالب نہیں ہوتا۔ اس میں اس قسم کی عمومیت ہوتی ہے۔ کہ کبھی وہ غالب آجاتا ہے اور کبھی غلبہ چھوڑ دیتا ہے۔

انسان فطری طور پر موزونیت کا مشتاق ہے۔ اسکی طبیعت ہر ایک امر میں موزونیت چاہتی ہے۔ خواہ وہ موزونیت علمی امور میں ہو۔ اور خواہ عملی میں۔ انسان کی یہ خواہش کہ ہر شے ایک قرینے سے رکھی ہو۔ اسکے اٹھنے اور بیٹھنے کی جگہ ایک ترتیب سے سجائی گئی ہو۔ سیر کی جگہ یا منظر ایسا ہو جسمیں پوری ترتیب اور درجہ یا دلکش سماں ہو۔ اسکا ہر ایک کام ایک سلسلہ اور سلیقہ[ل] سے ہو۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ طبعاً کسی نہ کسی رنگ میں موزونیت پسند کرتا ہے۔

چونکہ انسان کی طبیعت میں موزونیت کا فطری خاصہ بھی ہے اور اکتسابی

ل سلیقہ کیا ہے۔ ایک موزونیت اور ایک وزن اگر کوئی شئے بے سلیقہ رکھی ہو تو گویا وہ بے وزن اور غیر موزوں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اس سلسلہ سے ٹوٹ اور نکل جاتی ہے جو اسکے واسطے واضع نے وضع کیا ہے۔ ۱۲

اور صناعی بھی۔ اسواسطے دونوں صورتوں میں یہ موزونیت اسکے مقتضیات طبعیہ اور اکتسابیہ میں سے شمار ہوتی ہے۔ عملی رنگ میں بھی اس کی ضرورت ہے۔ اور خیالی وجوہ سے بھی اس کی آرزو رہتی ہے۔ مزامیر اور مختلف باجوں یا سُروں سے سوائے اسکے اور کیا حاصل ہے کہ انسان کی طبیعت اُسنے اُس خاصہ کی تکمیل کرتی ہے۔ جو اس کی طبیعت میں مودوع ہے۔ ہر باجہ اور ہر سُر میں ایک موزونیت ہے۔ اور ایسی ہر موزونیت انسان کی مذاقی خواہش پوری کرتی ہے۔ انسان نے جہاں صدہا مزامیر اور باجے بناکر اپنے مذاقی حصہ کی تکمیل کی ہے۔ وہاں علمی اور خیالی رنگ میں شاعری کی تدوین بھی کی ہے۔

خیالی اور تصوری مواد کا قید شعر میں لاکر پڑھنا اور سننا مذاقی نشہ کے واسطے ایک فوری ذریعہ ہے۔ پس ان تمام حالات میں یہ کہا جاویگا کہ فن شاعری کا ایک یہ نتیجہ بھی ہے کہ اسکے ذریعہ سے انسان کے مذاقی جذبات اور خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور فن شعر (بشرطیکہ وہ شعری حیثیت اور معنوں میں ہو) مذاق کے واسطے ایک ذریعہ تکمیل اور وسیلہ تفریح ہے۔

نثر بھی بیشک مذاقی مختصات سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن یہ سب پر روشن ہے کہ نظمی صورت میں مذاق پر بمقابلہ نثر کے ایک قوی اور فوری اثر ہوتا ہے۔ اور دل و دماغ میں ایسے مضامین خصوصیت سے سماتے اور رچ جاتے ہیں بعض دفعہ ایک شعر کیا ایک چلتا مصرعہ بھی بیسیوں طومار نثر کا بدل ہوجاتا ہے۔ اگر ہم ایسا مذاق رکھتے ہیں۔ اور اگر ہماری طبیعت میں ایسی چاشنی ہے تو ضروری تھا کہ اُسکے واسطے کوئی سامان بھی ہوتا۔ پس طبیعت نے خود ہی جہاں اور صدہا

قسم کے مزامیر ایجاد اور اختراع کر دکھائے ہیں۔ وہاں فن شعر کی بھی بنیاد رکھدی

شق ادبی

دنیا کی شائستہ قوموں میں ادبیات کی تفصیل میں فن شعر بھی داخل ہے۔ یا یہ کہ اپنے اعتبارات اور خصوصیات کی وجہ سے داخل کیا جا سکتا ہے۔ جس قوم کے فن ادبیات میں فن شاعری داخل نہیں درا صل وہ ادبیات ہی بوسیدہ یا ناقص ہیں ادبیات کا جزو کثیر خود فن شاعری میں داخل ہے یا شاعری اس کی حامل ہے ادبیات میں تلخیص مضامین اور انتخاب مضامین لازمی ہے۔ نثر بھی یہ کمی پورا کرتی ہے۔ لیکن جس خوبی اور جس خوش اسلوبی سے فن شعر یا شاعری اسکی تکمیل یا تجدید کرتی ہے۔ وہ نثر کے نصیب کہاں۔ نثر خواہ کیسی ہی برجستہ اور شستہ ہو۔ پھر بھی مضامین ژولیدہ۔ بندش شکستہ طوالت اور پریشانگی زمین شعر ان سب نقصوں سے پاک صاف رہتی ہے اگر ادبیات میں نثر کی ضرورت تھی تو شعر کی بھی ہے۔ کیونکہ نثر اگر زبان کا ایک جزو ہے۔ تو نظم بھی ایک جزو خاص ہے۔ ایک جزو کا رکھنا اور دوسرے جزو سے پرہیز یا احتراز کرنا درست نہیں۔ ان وجوہ سے یہ کہا جاویگا کہ اگر فن شاعری نہوتا تو ہمارے ادبیات میں ایک کمی رہتی۔ اور اسکا نعم البدل سواے اسکے اور کچھہ نہیں تھا کہ ہم اخیر پر اپنے ادبیات میں پھر پھر کر یہی فن داخل کرتے

شق اخلاقی

ہمارے باہمی عمل کا دوسرا نام اخلاق ہے۔ عمل اخلاقی کیو اسطے خاص

قواعد یا خاص ضوابط کی ضرورت ہے۔ جسکا اکثر اخلاق کی کتابوں میں بیان ہوا ہے۔ ان میں سے اکثر کتابیں اور اکثر تصنیفات نثر میں ہیں۔ تلخیص مضامین کا اعتبار سے ضرورت تھی کہ کوئی ایسا ہی آلہ ہوتا جو بمقابلہ نثر کے فوری اثر کرتا۔ اور جس میں مندرجہ ذیل خصوصیتیں پائی جاتیں۔

" خلاصہ یا اختصار۔
" شستگی۔ عمدگی۔
" تاثیر۔

اشعار یا نظموں میں یہ تینوں خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ کبھی کبھی ایک عمدہ شعر کے پڑھنے یا سننے سے جو اثر ہوتا ہے وہ سو صفحہ کی کتاب نثر سے بھی نہیں ہوتا۔ مجادلوں یا جنگوں یا یورشوں میں ایک ہی رجز یہ شعر سے قیامت برپا ہوجاتی ہے۔ بہادروں کے دل نکل جاتے اور رگ حمیت میں غضب کا جوش آجاتا ہے

مجالس نصائح میں ایک ہی بیت یا ایک ہی شعر سینکڑوں جملوں کا قایمقام ہوجاتا ہے۔ محافل۔ مواعظ اور انجمن احباب میں چیدہ اشعار اور شستہ نظمیں وہ لطف یا وہ اثر پیدا کرتی ہیں کہ مدتوں یاد سے نہیں اترتیں۔

لہ متعلق صفحہ ۱۳۱۔ نظم نہ صرف ہماری زبان کا ہی جزو ہے بلکہ ہمارے مذاق اور طبیعت کا ہی خاصہ یا جزو اعظم ہے۔ قید اوزان اور بحور چھوڑ یوں بھی ہم نظم کا مادہ اپنی طبائع میں طبعاً رکھتے ہیں۔ یعنی موزوں طبع واقع ہوئے ہیں۔ ان حالات میں نثر سے نظم کا جوڑ لازمی تھا۔ ۱۲

(۴) شق تفریحی

جہاں اور سامان یا مواد تفریح کے ذرائع اور وسائل ہیں۔ فن شاعری بھی ایک اعلی درجہ کی تفریح کا موجب ہے۔ نثر میں بھی تفریح کے علمی سامان موجود ہیں۔ لیکن جو علمی تفریحات قالب نظم میں اثر اور خوبی رکھتی ہیں۔ نثر میں نہیں ہیں۔ چونکہ فن موسیقی کے اولیات اور مابعد ایات کی بنیاد بھی ایک قسم کی تفریح کے تابع ہے۔ اسواسطے نظم کے فن نے اس فن موسیقی میں بھی بہت کچھ مدد اور سہارا دیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ فن شاعری کا بہت کچھ حصہ فن موسیقی میں کھپ گیا جاتا ہے۔ یا یہ کہ مجلس موسیقی میں شاعری بھی ایک اچھا پایہ رکھتی ہے۔ شک نہیں کہ موسیقی کے ہم صحبتی سے شاعری میں بھی ایک اور جوبن آجاتا ہے۔ مگر موسیقی کے رنگ میں اگر شاعری بھی موسیقی سے کم مروت نہیں کرتی۔

انسان ذوق یا اداسی اور مایوسی کے وقت وجد یا کسی لے میں آکر کبھی نثر نہیں پڑھتا ہے۔ اور نہ کسی نثر کی کتاب کا دوران کرتا اور اس سے حظ اٹھاتا ہے۔ ایسے مواقعہ میں ہمیشہ یا تو گیت الاپتا ہے۔ اور یا کوئی حسب حال شعر پڑھتا ہے۔ اگر کوئی گیت یا کوئی شعر یاد نہو۔ تو اپنے طور پر ہی کچھ نہ کچھ گھڑ لیتا ہے۔ ایسے فقرے اگر شعر یا گیت نہیں ہوتے تو نثر بھی کسی حالت میں نہیں کہی جاسکتی۔

جب طبعی طور پر بھی قریب قریب ایک گیت یا شعر کے ہی ایسی حالتوں میں طبع آزمائی کیجاتی ہو تو پھر لزوماً یہ کہنا پڑیگا کہ ہماری تفریح کے واسطے نظم کی

سخت ضرورت تھی۔

اور ہمنے طبعی نداق اور طبعی مقتضیات میں سوا اسکے اور کچھہ ترمیم یا ایزادی نہیں کی کہ انہیں ایک خاص قاعدہ کی ماتحتی میں لاکر ایک خاص فن تسلیم کرلیا ہی۔ ہم فن شاعری سے کیوں محبت رکھتے اور کیوں نظم سے دلچسپی لیتے ہیں محض اسواسطے ہی نہیں کہ وہ:۔

"ہماری تفریحات کا باعث ہی۔
"یا اُس سے ہمیں ایک حظ آتا ہی۔

نہیں بلکہ اسوجہ سے بھی کہ وہ ہمارے طبعی نداق کے مطابق ہے۔ اور اس سے ہمیں وہ مزہ ملتا ہے۔ جسکے ہم طبعاً عادی ہیں۔ اور جسکے بغیر ہم کسی حالت میں رہ نہیں سکتے۔ کہا کرتے ہیں۔

"رونا
"ہنسنا } ہر شخص جانتا ہے
"گانا

اور یہ سچ بھی ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی وقت گاتا ہے شعر پڑھتا ہے۔ یا یہ کہ چند موزون کلمے اور جملے خواہ مخواہ منہہ سے نکالتا ہے لیکن کبھی نثر کے فقرات اسکے منہہ سے نہیں نکلتے۔ اگر کبھی اقوال بیان کرتا ہے تو در اصل وہ بھی نثر اور نظم کے بین بین ہی ہوتے ہیں۔ یہ حالت ثابت کرتی اور یقین دلاتی ہے کہ انسان ہمیشہ تفریح اور حظ نفس کے واسطے باعتبار مقتضیات نداقیہ کی تلخیص مضامین کی تلاش میں ہی رہتا ہے۔ اور وہی مضامین اسکی طبیعت اور دل

ودماغ پر فوری اثر کرتے ہیں جو موسیقی یا شعری رنگ میں ہوتے ہیں۔
تفریحی امور میں ایک خصوصیت اور جدت کی ضرورت ہے۔ اور علمی رنگ میں ایسی جدت یا ایسی خصوصیت موسیقی اور شاعری اور مصوری کے سوائے فوری حالت میں نہیں پائی جاتی۔

(۵) شوق علمی

آلات علمیہ مختلف ہیں یعنی ہمنے اپنی معلومات کے متعلق چند در چند صورتیں اور طریقے اختیار کر رکھے ہیں ہر طریقہ میں ایک جدت اور ایک نرالا پن یا امتیاز ہے منطق۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ معانی۔ بدیع۔ فصاحت۔ بلاغت وغیرہ وغیرہ سب کے سب نرالے یا جداگانہ طریقے اور شعبہ ہیں اور ان سب شعبوں اور طریقوں سے علمی صورتوں میں تدریجاً ترقی اور افزونی ہوتی رہتی ہے۔
ان مختلف آلات اور اسباب علمیہ کیساتھ ساتھ فن شاعری بھی ترقی پاتا یا گھاٹے میں آتا رہتا ہے جو قوم دنیا میں علمی رفتار میں ممتاز ثابت ہوئی ہے۔ اسکی تاریخ ہمیں بتلاتی اور ظاہر کرتی ہے کہ اور لازمی ترقیوں کیساتھ شاعری کی ترقی اور تنقید بھی اُن میں ہوتی رہی ہے۔ اور اسپر علمی مدارج کا بہت کچھ مدار رہا ہے۔
شاعری ایک سلیم خیال کی طرح ہر شاخ فن میں ممتاز رہی ہے اور اس کے ہر شعبہ میں نہایت خوبصورتی سے کام لیا گیا ہے۔ اور وہ اخیر تک ایک چلتا جادو ثابت ہوتی رہی ہے۔
یوروپ کا نامور اور مشہور جادو تحریر شاعر شکسپیئر کہتا ہے۔

"شاعر آگے پیچھے گرد و پیش ہر طرف نظر رکھتا ہے"

اس مقولہ کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ شاعری ہر فن مولا ہے۔ اس سے ہر فن میں اور ہر علمی شاخ میں کام لیا جا سکتا ہے۔ ادبیات کی جتنی شاخیں اور جسقدر شعبے ہیں۔ اُن میں ایک خوبصورتی سے شاعری اپنا دخل و قبض کر لیتی ہے۔ صرف و نحو۔ تاریخ۔ انشاء وغیرہ وغیرہ شعبوں میں بھی شاعروں نے نہایت وسعت اور خوبی سے کام دیا ہے۔

جسقدر انکشافات اور تصرفات علمی یا سائنس اور فلسفہ کی تحقیقاتیں وقتاً فوقتاً صفحہ دنیا پر معرض ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ اُن سب کا عکس بالکل شاعری کے کیمرہ میں بطور مختلف اُترتا ہی رہتا ہے۔

ایک فلاسفر اور ایک سائنس داں ایک کیمیا داں یا ایک علم نباتات کے ماہر کی تمام معلومات اور تمام تصرفات شاعر کیواسطے ایسے ہی شستہ اور موزوں مضامین ہیں۔ جیسے کہ خود اسکے اپنے تصرفات اور انکشافات۔

صوفی مضامین اور خیالات فلسفی کی تنقید اور اظہار میں شاعری اور شاعر (بشرطیکہ وہ صحیح معنوں میں شاعر ہو اور شاعری کی کنہ اور رموز سے شناسائی رکھتا ہو) ایک خاص دلچسپی لیتا ہے اور اسکی بدولت اُنکے مضامین اور اجتہادات میں ایسی خوبصورتی اور نفاست آجاتی ہے۔ گویا وہ بجای خود صوفیانہ خیالات اور فلاسفہ کی روح رواں ہوتے ہیں۔

ارسطو کہتا ہے۔ شاعری کیا ہے؟

ایک ایسا فن ہے جس میں فلسفہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

ایک اور حکیم کہتا ہے۔ شاعری ہے۔

"کلام میں ایک ایسی الہامی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جو ہمارے علمی معلومات کے لئے ایک باریک بیں منقح اور نقاد ہے۔"

ہر دیگر فن یا شعبہ علمی میں مصنف یا مولف واقعات کا ایسے طور پر مسلسل بیان کرتا ہے۔ جس سے اسکی غرض صرف ایک تبلیغ یا محض توضیح ہوتی ہے۔ لیکن شاعر اُسکے خلاف وہ راہ اختیار کرتا ہے جو عقا بلتاً بہت مشکل واقع ہوئی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے مضامین اور مشاہدات کا ایسے پیرایہ میں خاکہ کھینچتا ہے۔ جو دوسرونکے واسطے موجب راحت ہو۔ اور جسکا فوری اثر سامعین یا پڑھنے والوں کے دل ودماغ پر اثر کرجاوے۔ شاعری صرف مسرت اور انبساط یا تفریح نہیں لاتی۔ بلکہ ایک موزوں صورت میں اُن علمی شعبوں اور لفظوں کا انسان کے دل پر نقش کرتی ہے جس کی تمدن اور روحانیات میں سخت ضرورت ہے۔

تمام علمی طریقوں اور تمام علمی سلسلوں کی یہ آخری غرض یا اعلیٰ غائت ہی کہ موجودات کے باہمی تعلقات اور روابط کا ایسے طور پر اظہار کیا جاوے جس سے ایک کی نسبت دوسرے سے کھل جاوے اور اس انکشاف سے انسانی تمدن۔ انسانی تہذیب۔ انسانی خیالات میں علمی ڈھنگ سے ترقی کی روح پیدا ہو۔ اگر یہ سوال کیا جاوے کہ ہمارے تمام علوم اور فنون کی غرض اور ماحصل کیا ہے۔ تو مختصر الفاظ میں انکا یہی جواب ہوگا۔ کہ موجودات کی باہمی نسبتوں کا جاننا اور اُنسے مستتر نتیجے نکالنا اور اُن تک پہونچنا۔

شاعری اُن تمام واسطوں اور اُن تمام تعلقات اور نسبتوں کا بخوش اسلوبی اظہار کرتی یا اسکے اظہار پر قادر ہے۔ جو انسان اور تمام دیگر موجودات میں پائی جاتی ہیں۔ اُن جذبات کی تشریح کرتی ہے جو خود انسان کے اندر مودع ہیں۔ اور ان جذبات کا بھی خاکہ اتارتی ہے جو دیگر موجودات کے حصہ میں آچکے ہیں۔ شاعری یہ تمام نسبتیں عام طور پر ہی بیان نہیں کرتی۔ بلکہ ایک خصوصیت اور ایک امتیازی قوت سے۔ انہیں پر اکتفا نہیں بلکہ ان تمام واردات اور موقوعات لازمیہ مصیبت۔ فرحت اور رنج و غم امید و تمنا آرزو و خواہش۔ اُداسی و مایوسی وغیرہ وغیرہ کا ایسے طور پر اظہار اور انکشاف کرتی ہے۔ جو انسانی زندگی کے جزو اعظم کہے جاسکتے ہیں اور جنسے کوئی فرد انسان خالی نہیں ہے علمی راہوں میں شاعری کبھی اپنی طرف نظر کرتی ہے اور کبھی دوسروں کی طرف۔ یا یوں کہیے کہ شاعر کبھی دنیا کے سامنے وہ نمونے اور وہ عجائبات پیش کرتا ہے۔ جو اپنے مشاہدات اور اپنے جذبات میں دیکھتا اور محسوس کرتا اور دکھاتا ہے کہ انسانی اندرونہ میں کیا کچھ اچھائیاں اور برائیاں بری ہیں اور کبھی وہ راہیں لیتا ہے۔ جو اور ابنائے جنس اور دیگر موجودات کی ذات میں گذر کرتی ہیں۔

شاعری میں جذبات اور احساسات گویا فطرتاً نہایت لطیف اور سریع الاشتعال ہوجاتے ہیں اور اُن میں نسبتاً ایک جدت اور فوری تصور کی طاقت آجاتی ہے۔ شاعر انہیں ایک سلیقہ اور خوش اسلوبی سے نباہتا ہے۔ علمی شعبوں کے لئے ایسی خصوصیتوں یا ایسے کمالات کی سخت ضرورت ہے۔ اگر ہم

ان تمام نفرت انگیز خیالات سے کنارہ گزین ہو کر شاعری کے اُس پاک مجموعہ یا کوچہ کی سیر کریں جو بالکل صحیح معنوں میں شاعری ہے اور جس میں زمانہ کے لغویات کا حصہ نہیں ہے تو ہمیں صراحت سے پتہ لگ جاویگا کہ اس مجموعہ میں وہ ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ جو ہر ایک طرح سے ایک بے بہا خزانہ ہے اور جس کی قیمت کوئی ہندسہ بھی پوری نہیں کر سکتا۔

تمام علوم کی دوسری علت یہ بھی ہے کہ انکا اثر انسانی طبائع پر خصوصیت سے پڑے یا انسانی طبیعت اُنسے مانوس ہو سکے۔ شاعری میں یہ خاصہ بھی ایک وسعت اور عمدگی یا مضبوطی سے پایا جاتا ہے جسطرح تصویر میں وہ فوری اثر موجود کیا جاتا ہے۔ جو بعض وقت اصل میں نہیں ہوتا۔ اسیطرح پر مضامین مختلفہ قالب شاعری میں آکر زیادہ تر موثر اور دلچسپ ثابت ہوتے ہیں۔ ہم ہر روز بہت سی اصلی شئیں اور اصلی نقش یا نمونے دیکھتے ہیں۔ بیشک ہماری طبیعتیں اُنسے متاثر ہوتی ہیں لیکن تصویروں میں ہم جو کچھ اثر اور کشش پاتے ہیں۔ بعض دفعہ وہ کشش اصل میں نہیں ہوتی۔ ہم ہر روز اپنی ذات اور دوسروں کے واقعات میں درد۔ سوز۔ محبت۔ الفت۔ اُداسی۔ مایوسی۔ رنج و کلفت آرزو۔ خواہش تمنا دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جب موسیقی کے دائرہ میں انکا چہرہ پیش نظر اور پیش سماعت ہوتا ہے تو کوئی اور ہی رنگ اور اور ہی جذبہ ہوتا ہے۔ خوش الحانی طرز بیان۔ طرز اظہار۔ کیفیت۔ مرتبہ خشک اور عام واقعات میں بھی جان ڈالدیتی اور ایک فوری اثر پیدا کرتی ہے۔ شاعری کا دوسرا مفہوم کیا ہے۔ ؟

مصوّری اور موسیقی جن کا انسان کی فطرت سے ایک گہرا تعلق ہے۔ فطرتی تعلقات کا اظہار یا ایک طریقہ سے اُنکا ترتّب ایک ایسا بڑا علمی شعبہ ہے جس سے کوئی دوسرا علمی شعبہ ٹکر نہیں کھا سکتا اور اس شعبہ کے متعلق وہ خدمت ہے۔ جسکے اور علمی شعبے آسانی سے حامل نہیں ہو سکتے۔

ظفر علی

۲۴ اپریل ۱۹۲۵

شاعر کی زندگی

جسطرح ایک صوفی اور ایک فلسفی کی زندگی باعتبار خیالات اور تصورات کے اوروں سے جداگانہ ہوتی ہے اسیطرح ایک شاعر کی زندگی بہی بشرطیکہ وہ صحیح اور حقیقی معنوں میں شاعر ہو اوروں سے تمیز رکہتی ہے۔ ہر شغل بالخصوص ایسے فن میں جسکا کچہہ حصہ محض خیالات اور تصورات سے وابستہ ہو۔ سوچنے اور غور کرنیکا مادہ نسبتاً زیادہ مطلوب ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں معمولی سے معمولی شئے اور واقعہ یا منظر بہی اپنی تہ میں بہت کچہہ عجائبات رکہتا ہے ایسا شخص روزمرہ باتوں اور واقعات سے بہی وہ باتیں پیدا کرلیتا ہے۔ جو معرض اظہار میں آکر ایک سچے فلسفی کا درجہ پاجاتی ہیں۔

شاعر کی دو زندگیاں ہوتی ہیں۔

" ایک زندگی عام

" دوسری زندگی خاص

پہلی زندگی میں وہ اور ابنائے جنس کی طرح عامیانہ رنگ رکہتا ہے۔ دوسرے لوگ اپنی اور اسکی زندگی میں کوئی تمیز نہیں کرتے یا نہیں کرسکتے۔ کیونکہ وہ ظاہر میں اس کی حالت ہوبہو اپنی مانند ہی پاتے ہیں۔ وہ جن سرسری نگاہوں سے خود منظر قدرت دیکہتے ہیں۔ ایسے ہی اسکی نسبت بہی خیال کرلیتے ہیں۔

دوسری قسم زندگی میں شاعر اوروں سے بالکل جداگانہ حالت رکھتا ہے گو دوسرے لوگ اس حالت اور اس رنگ سے ناآشنا ہوں مگر خود شاعر اُس سے ناآشنا نہیں ہوتا۔

یہ دوسری قسم کی زندگی بھی دو نوعیں رکھتی ہے۔

۱ "وہمی زندگی"

۲ "عملی زندگی"

وہمی زندگی میں شاعر اعلیٰ خیال اور اعلیٰ تصورات کی مدد سے اُن مراتب اور اُن حقایق کی چھان بین کرتا۔ اور اُن مواد میں قدرت اور خصوصیت پیدا کرتا ہے۔ جو ایک عام حالت میں دیکھتا اور سنتا ہے۔ اُن باریکیوں کی تلاش اور انکشاف میں مگن رہتا ہے۔ جو اشیا اور منظر قدرت کی تہ یا اندرونہ میں مستتر ہوتی ہیں وہ راہیں لیتا ہے۔ جن پر بہت کم لوگ چلے ہیں۔ اسطرف سے جاتا اور اسطرف سے آتا ہے جو پہلی نگاہوں سے ابتک مخفی رہی تھیں۔

عملی زندگی میں اُن تمام عجائبات اور نادرات کا شستہ اور دلچسپ رنگ میں اظہار کرتا اور لوگوں پر اُنکا اثر ڈالتا ہے۔ وہ نکات اور وہ باتیں پیدا کرکے دکھاتا ہے جو اپنے موجودہ رنگ اور موجودہ پیرایہ میں انتخاب روزگار معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں ایسی ترکیب اور ایسی بندش سے ظاہر کرتا ہے کہ اگر وہ بندش اور وہ ترکیب توڑ دی جائے۔ تو وہ لطف اور مزہ ہی نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں شاعر صرف مضامین کی تشخیص و تزئین ہی نہیں کرتا بلکہ الفاظ کی کاٹ چھانٹ بھی کرتا ہے۔ ایسے نادر اور شستہ تصرفات سے

کام لیتا ہے۔ جو ذخیرۂ الفاظ میں ایک قیمتی افزونی کا باعث ہوتے ہیں۔ اُن مشکلات سے نکلتا ہے جو دوسروں کے لئے سدراہ ہیں۔ وہ بندشیں توڑتا اور وہ مزاحمتیں اٹھاتا ہے جو ادبی ضروریات میں مدتوں سے حائل ہیں۔ وہ جدید طریقے مشاہدات اور تصورات سے اخذ کرتا ہے جو علمی دنیا میں انمول خیال کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تصرفات شاعری کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے تو اُن مضامین اُن بندشوں کی وہ قدر ہی نہیں رہتی۔ شاعر ایک معمولی واقعہ کی بندش اور ترکیب ایسی خوش اسلوبی سے کرتا ہے کہ گویا اس میں جان ڈالدیتا ہے اور نقاد نگاہوں سے اُسے وقیع بنادیتا ہے جسطرح ایک معمولی نوجوان حسین عورت کے چہرہ تصنع سے مشتاق آنکھیں فریفتہ کرلیتا ہے۔ اسیطرح شاعر بعض وقت معمولی کیا باطل خیال میں بھی اس خوبی سے رنگ بھرتا ہے کہ اسمیں صداقت کا جوبن آجاتا ہے۔

اسکا ثبوت اس عمل سے ملسکتا ہے کہ اگر کسی بڑے سے بڑے عالی پایہ شاعر کی نظموں کا الٹ نثر میں کیا جاوے تو بعض اوقات وہ خیالات بالکل بے سروپا اور بے جوڑ سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور طبائع پر کچھ بھی اثر نہیں کرتے۔

خلاف اسکے جب کسی واقعہ یا منظر یا بیان کی نظم میں تحویل کیجائے تو اسکی عمدگی یا خوبصورتی کا اثر دوبالا ہوجاتا ہے۔ شاعر کی زندگی کا بہت سا حصہ صرف اس خیال میں گزرتا ہے کہ وہ پراگندہ اور پریشان خیالات یا واقعات کو ایک ایسی بندش میں منظر عام میں لائے جو اپنی نظیر آپ ہی ہوں۔

بقول بعض صحیح مذاق کا شاعر ادبی یا علمی اور اخلاقی ضروریات کے واسطے ایک سمجھدار مشاطہ ہے وہ مضامین کا سراپا درست کرتا اور انہیں موزون ترتیب دیتا ہے۔ وہ ہر بات اور ہر منظر کا نظارہ نکتہ چینی کی نگاہوں سے کرتا اور شوق کی دوربین سے دیکھتا ہے۔ عام لوگ منظر قدرت میں سے ٹرین کی طرح گذر جاتے ہیں۔ لیکن ایک شاعر ہر موقعہ اور ہر منزل سے پورے وقفہ کے بعد دوسرا قدم اُٹھاتا ہے۔ پراگندہ موتی ایک لڑی میں پروتا اور منتشر دانے ایک سلک میں داخل کرتا ہے وہ کبھی بظاہر ہنستا اور مسکراتا ہے اور کبھی بعض تاثرات اور بعض مشاہدات کی وجہ سے دلمیں روتا اور غمگین ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی اسکی آنکھیں مایوس اور چہرہ پژمردہ ہوتا ہے لیکن مناظر قدرت کیوجہ سے اسکا دل ہنستا اور خرم رہتا ہے۔

کبھی شاعر کی زندگی مایوسی آمیز اور محض تلخ ہوتی ہے۔ وہ ایک عمیق الخیال صوفی یا فلاسفر کی طرح دنیا کی پیچیدگیوں اور معلومات کی اُلجھن سے حیران اور پریشان رہتا ہے اور کبھی ایک کشادہ دل فلسفی کے نقش قدم پر اور لوگونکی اور پیچیدگیاں دیکھکر ہنستا اور قہقہہ لگاتا ہے۔

شاعر کی تفریح اور مایوسی ہمیشہ ایک دوسرے کے زد میں رہتی ہے اور اس جوار بھاٹا سے بعض وقت خود شاعر بھی حیران رہجاتا ہے۔

ایک مصرعہ یا ایک شعر کے کہنے میں بعض وقت ایک نازکخیال اور کہنہ مشق شاعر ایسی پیچیدگیوں اور اُلجھنوں میں پھنس جاتا ہے کہ بہ نسبت اسکے شاید کسی پہاڑی پر چڑہنا بھی آسان ہوتا۔ بعض وقت شاعر خبط شعر

میں ایسا محو ہوتا ہے کہ دنیا و مافیہا سے قریباً بیخبر ہو جاتا ہے ایک مضمون کا قالب نظم میں سے آنا تو کچھ مشکل نہیں مگر برجستگی۔ بندش اور تلخیص مضامین میں جو جانکاہی پیش آتی ہے وہ جان کھا جاتی ہے۔

چونکہ صحیح مذاق کے شاعروں کی زندگی انواع و اقسام کی پیچیدگیوں اور الجھنوں میں مبتلا رہتی ہے۔ اسواسطے بعض حکیموں کی یہ رائے بھی ہے کہ اس شغل کے واسطے وہی لوگ موزوں ہیں جو قدرتاً ہی اس میں بہت کچھ حصہ بجزہ رکھتے ہوں۔ جو لوگ طبعی مواد کم رکھتے ہیں وہ یا تو اس کوچہ میں بدنام ہو جاتے ہیں اور یا باوجود مساعی شبانہ روز کے انکا رنگ ایسا پھیکا پڑ جاتا ہے کہ انکے کلام میں کوئی لطف ہی نہیں ہوتا۔

ایک حکیم کسی اپنے شاگرد کو عروض کی تعلیم دیا کرتا تھا جو اسکی نگاہوں میں قدرتی طور پر بھی شاعری کا مذاق رکھتا تھا وہ اُسے کہا کرتا تھا کہ کم سے کم شاعر کے واسطے قدرتی طور پر نصف شاعر ہونا ضروری ہے وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ ایک سخت جسم لکڑی صاف تو کیجا سکتی ہو۔ لیکن قدرتی نسبت اور خوبصورتی اسمیں نہایت مشکل سے لائی جاسکتی ہے۔

ایک اُستاد کا مقولہ ہے:۔

"اعلیٰ معیار کی شاعری کے واسطے ایک ایسے انسان کی ضرورت ہے جو غیر معمولی دماغ اور غیر معمولی دل باعتبار ضروریات شعری رکھتا ہو۔ اور اُسکی نظر انتخابی وسیع اور جامع ہو۔

ایک شاعر سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کی زندگی کیسی گذرتی ہے اُس نے

جواب دیا کہ۔

" میں شب و روز مضامین لطیف کی تلاش میں سرگرداں اور پریشاں رہتا ہوں۔ دور تک چلا جاتا ہوں اور دوسرے کرچے سے نکل آتا ہوں۔ اسیطرح میرا بہت سا وقت خیالی آمد و رفت میں گذر جاتا ہے۔ مگر میرا دماغ تھکتا نہیں کیونکہ شاعری کا شغل میرے واسطے صرف عروض کی وجہ سے ہی موزوں نہیں۔ بلکہ میری طبیعت بھی شاعری کا مذاق رکھتی ہے۔ اگر ایسا نہو تو شاید باوجود اس تکلیف اور دماغ سوزی کے میں دیوانہ ہو جاتا۔

ایک شاعر کا قول ہے کہ۔

"لوگ کیوں خواہ مخواہ شاعری کی طرف دوڑے آتے ہیں یہ زندگی کوئی با امن اور مزیدار زندگی نہیں اگر کوئی میرا دماغ دیکھ سکے تو اس میں سینکڑوں ایسے رخنے اور چھید ہونگے جو کسی مادہ سے بھی بند نہیں ہو سکتے۔ اگر تم یہ بار اٹھا نہیں سکتے تو کیوں اسطرف آتے ہو۔ جاؤ کوئی اور شغل اختیار کرو یہ جن کا حصہ ہے انہیں کے واسطے رہنے دو۔

---

۲۴ اکتوبر ۱۹۵۱ حیدرآباد دکن

ردّ سخن یا اعادۂ سخن

سرزمین ہندوستان میں جیسے پہلے فارسی - عربی - ادبیات سے مانوس تھے - ایسے موجودہ زمانہ میں نہیں ہیں - زمانہ کے چکّر اور انقلابات اُن ممالک کے واسطے ہمیشہ ایسے ہی نمونے پیش کیا کرتے ہیں - جنکے اپنے علمی سرمایہ میں بہت کم گنجایش اور بہت کم وسعت ہوتی ہے - سلاطین اسلامیہ کے عہد میں اُردو کی بنیاد پڑی اور اس عرصہ سے اس کی ترقی یا نشوونما کا زمانہ شروع ہوا - اس عہد سے فارسی - عربی - ہندی زبانوں کے اختلاط یا جوڑ توڑ سے اردو کی تولید ہوئی -

اگر اردو کی پہلی بنیاد دیکھی جاوے - اور جو کچھ اس پر وقتاً فوقتاً بڑھایا جاتا رہا ہے - اسکا اعادہ کیا جاوے تو پتہ لگ جاویگا کہ بمقابلہ اسکے اس زمانہ تک اسمیں بہت کچھ ترقی ہو چکی ہے - اگرچہ بہت سی سکڑی منزلیں طے کرنی پڑی ہیں اور ناگہانی حادثوں نے بھی لگتے ہاتھ پیچھا نہیں چھوڑا - لیکن پھر بھی یہ موجودہ حالت زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ بہت کچھ کیا گیا اور بہت کچھ ہو گیا ہے یا یہانتک نوبت پہونچ گئی ہے کہ موجودہ حالت سے اور بھی بہت کچھ ترقی کی جاسکتی ہے - یا ہم اس منزل پر پہونچ چکے ہیں - جہاں سے منزل مقصود نزدیک دکھائی دیتی ہے -

بیشک علمی دوڑ میں - وسعت میں - فنون میں - نادرات میں - سائنس

ہیں فلسفہ ہیں ادبیات ہیں اردو زبان ابھی پہلی منزل سے بھی آگے نہیں گذری
مدتے باید کہ تکمیل شود - لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاوے گا کہ اس حالت
پر پہونچگئی ہے - جہاں سے ہر ایک قسم کی ترقی و نشو و نما بخوش اسلوبی ہوسکتا
ہے -

مشکل بنیاد رکھنا اور بنیاد سے ذرا اوپر جانا ہے - یہ مرحلہ طے ہوچکا ہے -
اب ہمت اور لگاتار کوشش کی ضرورت ہے جو خود زبان کے حیطۂ قدرت
سے باہر ہے ہاں زباں دانونکے حصہ میں یہ مرحلہ آیا ہے اور وہی اس میں
ترقی کرسکتے ہیں - بیشک جو زبان ابھی ابتدائی نشو و نما میں ہو اور جسکو
ابھی خدا کے فضل و برکت سے بہت سے درجے طے کرنے ہوں اس کے
ذخیروں میں ردیات اور بوسیدہ انبار بھی بہت کچھ ہوگا - کیونکہ نئے
مکان کی تعمیر میں ہمیشہ روڑے اور کنکر بھی ادھر ادھر پائے جاتے ہیں
مکان کی تکمیل پر اُنکی صفائی ہو رہتی ہے - لیکن اسکا یہ اثر نہیں ہونا چاہیے
کہ ان روڑے کنکروں اور زائد سامان سے ہم دل برداشتہ ہوکر اور ترقی
سے بھی دل ہٹالیں - یہ مان لیا جاویگا کہ اردو زبان ابھی نامکمل ہے اور اسمیں
بعض صیغے بالکل ابتدائی ہیں اور ابھی اُس میں زمانہ کے موافق شائستگی
اور کامل نفاست نہیں آئی ہے یا وہ ہماری موجودہ ضروریات اور تمدن کی
بوجہ احسن حامل نہیں ہے یا اس میں ترمیم اور اصلاح کی ضرورت ہے
لیکن اس سے کہاں سے لازم آئیگا کہ ہم اسکی اصلاح سے بھی مُنہ موڑلیں
ہم ان باتوں سے کسی حالت میں بھی انکار نہیں کرسکتے -

" اردو زبان ابھی باعتبار ذخیرہ الفاظ ناکمل ہے۔
" ابھی اس میں پوری طاقت اظہار نہیں آئی ہے۔
" ابھی وہ اُن کو الفت کی جو بمقابلہ اُسکے شائستہ اور مکمل ہیں نسبتاً محتاج ہے
" ابھی اُسکے ادبیات میں تکمیل اور وسعت کی کمال ضرورت ہے۔
" ابھی اسکے علمی ذخائر میں اور بھی افزایش کی ضرورت ہے۔
" ابھی وہ بچپن کی حالت میں ہے۔
" ابھی اسمیں اور بھی نشو و نما ہوتا ہے۔
" ابھی اُسے اوروں سے بھی بہت کچھ لینا ہے۔
" ابھی وہ تمام منزل اپنے پاؤں سے طے نہیں کرسکتی۔ باوجود ان
سب باتوں یا ان سب مناقص کے یہ بھی تسلیم کیا جاویگا:۔ کہ
" وہ ایک ہونہار بچہ ہے۔
" وہ ایک قابل اور جامع ہستی ہے۔
" وہ اپنی ذات میں کمال کا مادہ رکھتی ہے۔
" وہ دن بدن ترقی کررہی ہے۔
" وہ اپنی ہمسایہ زبانوں سے مخلصانہ راہ و رسم رکھتی ہے۔
" غیر زبان کے الفاظ اور فقرے اسمیں شامل ہوکر اپنی ہستی کا جوبن
دوبالا پاسے ہیں
" وہ غیر زبانوں کے الفاظ میں اس بیرحمی سے تصرف نہیں کرتی
کہ انکی شکل و صورت ہی مسخ کردے۔

" وہ امین ہے غاصب نہیں ہے۔

" وہ ہر ایک قسم کی کیبت کے واسطے موزوں اور مستعد ہے۔

" گو وہ ابھی الہڑ ہے۔ لیکن ایسی کندۂ ناتراش نہیں۔ کہ اصلاح پذیر ہی نہو سکے۔

" اُس کی ذات میں تمام قسم کے نشو ونما، اور مطابقتِ زمانہ کا مادہ موجود اور موعدہ ہے۔

جب کبھی اُس سے یہ سوال کیا جاتا ہے۔ کہ :۔

" تم میں ابھی پورا جوبن نہیں آیا۔ تو وہ کمال ادب سے عرض کرتی ہے۔

" سگِ آدم و سگِ پیر شدم۔

وہ بہ صدائے بلند یہ کہ رہی ہے۔

" اے میرے حامیو! اے میرے سرپرستو! میں ہر ایک میدان خیال اور ہر ایک عرصہ علمی اور منزل ادبی میں جا سکتی اور وہاں سے بہت کچھ لا سکتی ہوں۔ میں نے پہلے پہل تین ماؤں۔ ہندی۔ فارسی۔ عربی کا دودھ پیا ہے اور اب میں چوتھی یا پانچویں ماں انگریزی۔ فرنچ یا جاپانی کا بھی دودھ پی سکتی ہوں اور پیتی ہوں۔ میں بڑھونگی اور پورا نشو ونما پاؤنگی۔ میں گو قطرہ قطرہ پیتی اور قطرہ قطرہ لاتی ہوں۔ لیکن تمہارے واسطے ایک بحر رواں یا انبار کثیر جمع کرتی ہوں۔ آؤ میری حمایت میں دل سے کھڑے ہو جاؤ۔ تاکہ میں بھتیں اپنی ذہانت اور اپنی جودت اور اپنی زودرسی کا ثبوت دے سکوں۔

"میں دوسروں کے عطیات پر ہی بس نہیں کرتی بلکہ میں اُن جدید الفاظ اور جدید اصطلاحات کی بھی حامل ہوں جو مجھ میں تمہاری ذہانت کے صدقے پیدا اور شامل کئے جا سکتے ہیں۔ تم میرے اندوختہ سابقہ سے کفران نعمت نکرو۔ بلکہ اسکی اصلاح میں ساعی ہو۔ تاکہ میں تمہارے سامنے ایک پاک صاف اور شستہ زبان کی حالت میں پیش ہو سکوں۔

میں کچھ ضرورت نہیں دیکھتا کہ اُردو زبان کے ہر ایک قسم کے اندوختہ کی نسبت یہاں بحث کروں۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ اُردو زبان کی شاعری کی نسبت موجودہ زمانہ حیص و بیص میں کیا کچھ کہا جاتا ہے اور کیا کچھ کہنا چاہئیے شاید مینے اس بحث میں کہیں اوپر بھی اسکا ذکر کیا ہو۔ اور اب میں جدتاً و اعادۃً یا ثانیاً یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو شاعری کی نسبت عموماً یہ کہا جاتا ہے۔

" اردو شاعری مخرب اخلاق ہے۔

" اسمیں فطرتی خیالات اور بلند جذبات کا پتہ نہیں۔

" وہ خلاف قیاس تشبیہوں اور بیہودہ استعاروں سے مملو ہے۔

" فلسفیانہ مضامین اور سود مند خیالات کا اس میں کہیں ذکر نہیں۔

" وہ یورپ کی شائستہ شاعری اور نیچرل نظم سے مقابلہ نہیں کہا سکتی۔

ہم ان اعتراضات یا مناقص کے مقابلہ میں استقدر تو تسلیم کرتے ہیں۔ بیشک اردو شاعری میں اردو شاعری ہی میں نہیں بلکہ اردو کے موجودہ ذخائر علمیہ میں بھی یہ کمیاں ہیں اور ہم یہ قبول کرتے ہیں کہ :۔

" اس میں اصلاح ضرورت ہے۔

" وسعت کی ضرورت ہی۔
" مزید شائستگی مزید عمدگی کی ضرورت ہے۔
" نیچرل استدلالات اور فلسفیانہ خیالات کی ضرورت ہی۔
" اخلاقی تصرفات کی ضرورت ہے۔
" اگر اور اقوام اور اور ممالک کی شاعری میں مزید خوبیاں اور مزید دلچسپیاں ہیں تو انکی بھی ضرورت ہے۔

ہم یہ بھی قبول کرتے ہیں کہ اردو شاعری میں کچھ ایسا ذخیرہ بھی موجود کیا گیا ہے جس سے اخلاق پر برا ہی نہیں۔ بلکہ سخت گندہ اور حیا سوز اثر پڑتا ہی اور اسکا نہونا ہی بہتر تھا۔ ہم یہ بھی قبول کرتے ہیں کہ اردو شاعری میں زمانہ موجودہ کی ترقیات یا ضروریات کے مطابق ابھی سرمایہ مہیا نہیں کیا گیا۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اسمیں فطرتی جذبات پر بالخصوص زور نہیں دیا گیا یا دیا جاتا۔ مگر اسکے ساتھ ہی ہمیں اسباب سے بھی انکار نہیں کہ یہ تمام باتیں مبالغہ اور جدید کاوش سے بیان کیجاتی ہیں انکی اصلیت ضرور ہے۔ لیکن اس میں مبالغہ سے ایک اور بھدا رنگ دیا جاتا ہے۔ ہمدردی سے نہیں بلکہ کاوش اور ضد سے۔ دلسوزی سے نہیں بلکہ دوسری طرف کی بدولت صداقت سے نہیں۔ بلکہ ایک تقلید اور ریس سے۔

وہ کون احمق اور کون بیوقوف ہے جو اردو زبان یا اردو شاعری کی ترقی نہیں چاہتا۔ کون نہیں جانتا کہ اس کی خرابیاں اور اسکی بُرائیاں اچھائیوں سے بدل دے جاکر اس میں تمام جہان یا تمام شائستہ زبانوں کی عمدگیاں

بردی جاویں اگر کوئی فرد ہندوستان ایسا نہیں چاہتا تو وہ کھلے بندوں صرف اردو زبان اور اردو شاعری ہی کا بدخواہ نہیں بلکہ اپنی قوم اور اپنے ملک کا بھی۔

لیکن صلاح کے ساتھ ساتھ اردو زبان یا اردو شاعری کی تخریب کے درپے رہنا اور اُسے اُن راہوں سے لیجانا جہاں اسکا رہا سہا نام ونشان بھی نہ رہے اور بجائے ترقی کے اس میں ناگفتہ بہ تنزل آجاوے۔ اپنے پاؤں آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ اور ان بزرگان قوم اور اُن اسلاف ملت کی علمی کوششوں۔ ادبی مساعی سے کفران نعمت کرنا ہے۔ جن کی بدولت انمول بے قیمت علمی مجموعہ اسوقت شاعری کے رنگ میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

اگر محققین یورپ کے نزدیک شاعری کی حقیقت میں وزن کا ہونا ضروری نہیں اور عرب وعجم کے نزدیک ضروری ہے تو اُس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ نئی روحیں یا نئی پود بے وزنی شعر یا بے وزنی نظم نہ کہے سکے اور کثرت سے کہے۔ اردو شاعری میں بہ تتبع یورپ کی شاعری کے یہ بھی ایک اور اضافہ ہوگا جس سے کوئی حرج نہیں۔ لیکن اسکے ساتھ یہ کوشش بے سود کہ حیطہ اردو شاعری سے اوزانوں کا نام ہی اڑا دیا جاوے اور جو شاعری تابع اوزان ہو۔ اُسے مخرب اخلاق سمجھا جاوے۔ ایک اُلٹی راہ جانا ہے

یہ جدا بات ہے کہ ہم خود قیاس شعری اور شعر میں کوئی تمیز نہ کریں۔ اور اسیوجہ سے اوزان کے ترک پر مائل ہوں۔ لیکن جو شخص یا جو فرقہ قیاس شعری اور شعر میں تمیز اور فرق کرتا ہے۔ اُسے ترک اوزان پر مجبور کرنا ایک

ہٹ دہرمی اور سینہ زوری ہی۔

اکثر کے نزدیک قیاس شعری اور شعر میں عام و خاص کی نسبت ہی۔ جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اوزان ترک کئے جائیں۔

اخذِ اوزان میں ایک خوبصورتی اور خوش اسلوبی ضرور ہے۔ گو ایک پابندی بہی پائی جاتی ہے۔ اس طرزِ عمل سے اشعار کا خیطہ ایک مناسب دائرہ میں آجاتا ہے اور ترک اوزان کی صورت میں گو تبیین مضامین تو ہوجاتی ہے۔ لیکن وہ خوش اسلوبی اور سلیقہ باقی نہیں رہتا۔ جو پابندی اوزان میں موجود ہوتا ہے۔ باوجود اس نقص یا بے ترتیبی کے بہی اگر کوئی طبیعت بے اوزان طبع آزمائی پر مائل ہے۔ اور وہ اردو شاعری میں ایسی شاعری کا اضافہ کرتی ہے۔ تو میرے خیال میں اُسکے واسطے کوئی مانع نہیں ہوسکتا اور نہ یہ طرز عمل بُری نگاہوں سے دیکہا جاسکتا ہے۔ جو طبیعتیں اس جدید عمل سے فرحت اور دلچسپی رکہتی ہیں۔ اُنکے واسطے یہ ہی سہی۔ اُردو شاعری اگر اس سے خالی ہے تو وہ کمی بہی پوری ہو جائیگی۔

اور وہ فن شاعری بہی اس میں آجاویگا جو یورُپ میں اچہی نگاہوں سے دیکہا یا سراہا جاتا ہے لیکن پرانے شائستہ طریقوں کا نئے طریق کی وجہ سے ترک کردینا سخت بزدلی اور زود اعتقادی ہے۔ فطرتی خیالات اور بلند مضامین کا ممکن ہی۔ کہ یورپین شاعری میں زیادہ ذخیرہ ہو۔ اور فلسفیانہ مضامین اور نیچرل اقتباسات بہی خاصی تعداد کے ہوں۔ اور خلاف قیاس استعارات اور تشبیہیں بہی نہوں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ

ایشیائی شاعری کا اکثر حصہ اور اردو شاعری کا بھی جزو کثیر ان کمالات یا اُن ضروریات سے خالی نہیں۔

فارسی اور عربی یا سنسکرت کی شاعری میں تو مقابلتاً یورپ کی شاعری کے ایسا مواد بہت کچھ ہے کوئی ہی دیوان خالی ہوگا کہ جسکے اشعار یا منظومات میں بلند خیالات[1] اور اعلیٰ مضامین کا کوئی نہ کوئی حصہ نہو صوفیانہ خیالات یا صوفیانہ نداق سے دیوانوں کے دیوان بھرے پڑے ہیں۔ فلسفہ اخلاق اور فلسفہ مذہب اور عام فلسفہ کے مضامین کی بھی کمی نہیں چھوڑی۔ یہانتک کہ بعض شاعروں کی تمام نظمونکا بڑا حصہ انہیں مضامین سے مملو ہے اور بعض شاعروں کی شاعری بھی ان مضامین سے وابستہ ہے۔ کتنے ایسے شاعروں کا نام لیا جاوے۔ اور کتنی ایسی نظمیں گنوائی جاویں۔ اگر ایسے خاص اشعار اور منظومات کا انتخاب کیا جاوے۔ تو لاکھوں اشعار کا مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔

باوجود اس حالت کے بھی یہ کہنا کہ ایشیائی شاعری میں ایسا نادر ذخیرہ نہیں ہے۔ انصاف سے بعید ہے سینکڑوں ایسی نظمیں اور ایسے اشعار پیش کئے جا سکتے ہیں کہ جو اپنے علو خیالات اور بلندی مضامین اور

---

[1] بلند خیالات سے اگر شستگی خیالات اور صفائی مضامین کی مراد ہے تو عربی اور فارسی اور اردو کی شاعری بھی اس سے خالی نہیں اور اگر اعلیٰ مضامین اور خاص استدلالات مراد ہیں تو وہ بھی کم نہیں ہیں یہ جدا بات ہے کہ یورپ کے خلاف ان کا طرز استدلال اور طرز بیان کچھ اور ہو۔ لیکن یہ کون کہ سکتا ہے کہ ایشیائی شاعری بلندی خیالات سے معرا محض یا خالی ہے

۱۲۔

استدلال فلسفیانہ اور خوبی صوفیانہ کی وجہ اور خصوصیت سے قابل فخر اور زیور ادبیات ہیں عمر خیام کی رباعیات غنی اور صائب کے اشعار اور حافظ کی نظم۔ ناصر کی شاعری۔ سعدی کی شاعرانہ تصنیفات واقف کے خیالات مایۂ افتخار اور سرمایۂ ناز نہیں تو اور کیا ہیں سیکڑوں صوفیائے کرام کے اشعار اور استدلالات شاعرانہ۔ اعلیٰ سے اعلیٰ فلسفہ اور اخلاق کی جان اور روح رواں ہیں۔ جناب حضرت اجمیری۔ امیر خسرو۔ شمس تبریز۔ حضرت نظام الدین اولیا۔ مرزا مظہر جان جاناں[1] وغیرہم نے ایسے شستہ خیال اور پاکیزہ مضامین باندھے ہیں۔ کہ شاعر یورپ کے مضامین کو اُنسے کوئی نسبت ہی نہیں دیجا سکتی۔ یہ اصحاب کبار اگرچہ شاعر نہیں تھے اور احترام شاعری سے ان کا احترام اور رتبہ کہیں زیادہ بلند اور ارفع تھا۔ لیکن شوق الٰہی اور جذبۂ حانی میں ان کی زبان اور انکے قلم سے اس قسم کے پاکیزہ مضامین اور اعلیٰ خیالات نکلتے ہیں کہ جو ہر صورت میں سرامد خیالات سمجھے جانیکے قابل ہیں۔ افسوس بعض لوگ نہ تو خود ویسے خیالات سے آشنا ہیں اور نہ انکی قدر کرتے ہیں۔ اگر اُن تک انکی رسائی ہوتی تو یورپ کی بندشیں اور یورپ کے استدلالات نظروں میں نہ جچتے۔ انکا ایک ایک شعر اور ایک ایک بند دل سے نکلا اور دل پر چوٹ لگاتا ہے انکی نظموں میں روحانی جوش اور انکے اشعار

[1] حضرات صوفیائے کرام میں اس اس قسم کے بزرگ اور مشاہیر زمان گذرے ہیں کہ انکی شاعری مضامین اور خیالات کے ہی پابند نہیں رہی بلکہ اس میں اُن جذبات اور اُن اذواق کا بھی سامان پیدا کر دیا گیا ہے۔ جنکا مخرج روحانیات اور معادی رموز ہیں۔ ملا۔

ہیں صادق و لولہ ہے۔ انکے مضامین صادق فلسفہ کی بنیاد اور صحیح اخلاق کا زینہ ہیں۔

اردو شاعری میں گو فارسی اور عربی کے موافق الیسا ذخیرہ نہو مگر پھر بھی اکثر شاعروں کی شاعری میں سے اس قسم کے اشعار کا ایک ضخیم انتخاب تیار کیا جا سکتا ہے۔

نیچرل مضامین بیشک بالخصوص نہیں لئے جاتے تھے۔ یہ ایک کمی ہے جسے پورا کرنا چاہئے۔ مگر یہ کمی کل ایشیائی شاعری میں ہی نہیں پائی جاتی عربی اور سنسکرت شاعری اس سے خالی نہیں رہی ہے۔ اردو شاعری میں جو کمی ہے ہمارا فرض ہے کہ اُسے پورا کریں۔ حضرت مولانا حالی۔ مولانا اکبر الہ آبادی۔ حضرت شاد۔ حضرت اثر۔ مسٹر اقبال لاہوری۔ مسٹر شاطر مدراسی۔ حضرت نیرنگ۔ حسرت موہانی سید ناظم وغیرہ اصحاب موجودہ کی شاعری کا رنگ عموماً نیچرل مواد اور نیچرل مناظر سے پر ہوتا ہے اور اب رسم پڑتی جاتی ہے کہ شاعر اس قسم کے مضامین لیں اور اُن میں مشق کریں بیشک لازمی ہے کہ شاعروں کی موجودہ جماعت اس قسم کے مضامین سے اپنی شاعری کی تزئین مزید کرے۔ جو پرانے شاعر یا پرانے ناظم اسکے خلاف ہیں انکی ہی ایک ضد ہے جبکہ اردو شاعری میں یہ کمی ہے تو کیوں پوری نہ کیجاوے۔

لیکن اس کمی کی وجہ سے اردو شاعری کو بدنام کرنا اور یہ راے دینا کہ وہ محض مخرب اخلاق ہے ایک خلاف اصلیت راے ہے۔ نیچرل

مضامین اب بھی اردو شاعری میں پائے جاتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے
کہ اردو زبان کے اکثر شاعر خاصتہً اس میں کم مشق کرتے تھے یا یہ کہ اردو
شاعروں کے نزدیک متن نیچر کی کچھ اور ہی تفسیر تھی۔

"ایک نیچر متعلق بہ مشاہدات۔ اور

" ایک نیچر متعلق بہ وجدانیات۔

اردو شاعروں نے مشاہدات اور مناظر قدرت سے بھی کچھ نہ کچھ حصہ
لیا ہے۔ لیکن بمقابلہ اسکے وجدانیات سے بہت کچھ استدلال اور استشہار
کیا ہے چونکہ ایشیائی شاعروں کا مذاق خاصتاً روحانیات اور عشق کا پہلو
زیادہ لئے ہوئے ہے۔ اسواسطے وجدانیات کے رنگ میں نیچرل مضامین
عموماً زیر مشق رہے ہیں۔ یعنی بمقابلہ مناظر اور بیرونی مشاہدات اور عجائبات کے
اپنے وجدانیات اور جذبات کا زیادہ تر اظہار کیا ہے۔

اپنے وجدانیات اور جذبات پر ہی کفایت نہیں کی اور ابنائے جنس
کے جذبات اور وجدانیات پر ہی بہ نظر بلیغ شاعرانہ محاکمہ کیا ہے عشق والفت
کے قصوں اور مضامین کی یہ کثرت جو ایشائی شاعری میں پائی جاتی ہے۔
اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ وجدانیات اور طبعی جذبات کے بیان پر زیادہ
زور دیا جا رہا ہے۔ بیشک یہ مرحلہ بھی نہایت ضروری تھا۔ اور جو شاعر اس میں
ملکۂ تام رکھتا ہے وہ بھی کم شہرت اور کم عزت نہیں پاتا۔ شکسپیر نے
خاص اس میں شہرت اور عزت پائی ہی کہ وہ جذبات انسانی کے بیان کرنے
میں ایک ید طولیٰ رکھتا ہے۔ لیکن اس سے دوسرا پہلو جو زیادہ تر عام فہم

تھا۔ چھوڑ دینا بیشک ایک عملی غلطی تھی۔ جسکے واسطے اب وقت آگیا ہے کہ اُسے پورا کیا جاوے۔ اگر یوروپ کی شاعری میں اسکا زیادہ تر مصالحہ اور سامان ملتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُس سے مدد نہ لیجاوے۔

باقی رہا اردو شاعری کا وہ حصہ جسے فحش کیا جاتا ہے۔ یا جو بڑے استعاروں اور بڑی تشبیہات سے پُر ہے۔ سو اس کی نسبت اول تو یہ کہا جاویگا کہ ہماری پاکیزہ شاعری اس سے خالی اور پاک صاف ہے اور اگر کوئی حصہ ایسا پایا بھی جاتا ہے تو وہ اسبات کا ثبوت نہیں ہے کہ اردو شاعری اس کی اجازت دیتی ہے۔ یا اردو شاعری میں وہ مباح اور جائز ہے کون کہتا ہے کہ ایسے بڑے حصوں اور مکروہ مضامین کو نکال نہ دیا جاوے۔ شاعر احتراز کریں۔ ناظم اس سے بچیں رفتہ رفتہ کل خراب مواد نکل جاویگا شاید یورپین شاعری کا اکثر حصہ ان خرافات سے خالی ہو۔ لیکن پھر بھی نہ تو یوُرپ کی کل شاعری پاک صاف ہے۔ اور نہ کل خیالات میں شستگی اور صفائی بھری ہے۔ یہ ہم اسواسطے نہیں کہتے کہ خدانخواستہ اردو شاعری کے مناقص واقعی کی تائید کریں۔ بلکہ اسواسطے کہ اردو شاعری کے متعلق وہ بدظنی رفع ہوجاوے جو اکثر اس کی نسبت محض ضد اور مبالغہ یا لاعلمی سے کیجاتی ہے۔

ہم یوروپ کی شاعری کا قصہ چھوڑتے ہیں۔ اسکے مقابلہ میں یوُرپ کی ناول نویسی لیتے ہیں جو فی زمانہ مروج اور گویا ادبیات یوُرپ کا ایک قیمتی حصہ ہے۔ ہم یورپ کے ناولوں اور ڈراموں کی ضرورت سے بیخبر نہیں ہیں

اور نہ ان کی سود مندی اور افادت سے ہم اسبات کے ہی قائل ہیں کہ .. - اچھے ڈراموں اور اچھے ناولوں سے بہت کچھ فائدہ ہوا ہے - یا فائدہ کی امید ہے اور ہم یہ بھی قبول کرینگے کہ اس موجودہ مجموعہ میں سے بہت سے اچھے اور چیدہ ناول ہی ہیں - لیکن با ایں ہمہ یوروپین ناولوں اور ڈراموں میں فی زمانہ عام طور پر جو کچھ گند اور فحش بھرا جاتا ہے وہ از سر تا پا حیا سوز اور حیا کش ہے ایسا گند اور فحش کہ اردو فارسی قصوں کہا وتوں میں ان کا عشر عشیر ہی نہیں - اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ وہ انگریزی زبان میں ہے بقول حضرت مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی جو کتابیں انگریزی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں - اُن میں سے ۶۰ فیصدی قصہ کہانیوں کی کتابیں ہوئی ہیں -

ان ترجموں میں زیادہ تر حصہ ایسے ہی ناولوں کا ہوتا ہے - جو سراسر مخرب اخلاق اور سوزندۂ حیا ہیں باوجود ان سب نقصوں کے لوگ آب ایسے ناولوں کی دل سے قدر کرتے ہیں - اور انکی یوماً فیوماً ترقی اور گرم بازاری ہے - لازمی ہے کہ اردو شاعری میں نئی روح جو پھونکی جاوے - تو اس میں ان ناولوں اور انگریزی قصے کہانیوں کی دم کشی نہو - ورنہ موجودہ حالت سے بھی زیادہ خرابی پیدا ہونیکا قوی اندیشہ ہے -

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ تشبیہات اور استعاروں کے متعلق جو اعتراض کیا جاتا - یا جو الجھن ڈالی جاتی ہے - وہ بھی مبالغہ سے خالی نہیں - وہ کونسی زبان یا کس زبان کی شاعری ہے جس میں

تشبیہات اور استعارے نہیں ہیں۔ ہاں ایک زبان کے استعارے اور تشبیہات دوسری زبان سے مغائر ضرور ہوتی ہیں۔ سو یہ ایک جدا بات ہے۔

تشبیہات اور استعاروں کا استعمالی طریقہ ہمیشہ ایک ملک یا ایک قوم کی خصوصیات معاشرتی اور اخلاقی یا تفریحی کے تابع ہوتا ہے۔ جیسی جیسی کسی ملک اور کسی قوم میں معاشرتی خصوصیتیں اور اخلاقی یا تفریحی رنگ اور صورتیں ہوتی ہیں۔ اسی رنگ میں قریباً تشبیہات اور استعارے بھی ہوتے ہیں سوسائٹی کے عام مذاق کو شاعر اور شاعری سے ہمیشہ ایک نسبت رہتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ شاعری ایسے مذاق کی بھی کسی نہ کسی قدر تابع ہوتی ہے۔

شاعر کا اپنا مذاق بھی بہت کچھ دخل رکھتا ہے۔ ایک عام شاعر اور ایک فلاسفر مزاج شاعر کے استعاروں میں ہمیشہ فرق ہوگا۔ ایک صوفی شاعر اور ایک مذہبی شاعر کی تشبیہات میں بھی ایک تمیز ہوگی۔

انگریزی شاعروں مثل بائرن۔ مور۔ ملٹن۔ شکسپیر کے ملفوظات اور منظومات میں بھی ایسے استعارے اور تشبیہیں انگلش رسم ورواج اور سوسائٹی یا مذاق کے تابع ہیں۔ تشبیہات اور استعاروں پر ہی بس نہیں کی۔ ان انگلش شاعروں نے سادہ فحش استعاروں سے بھی کام لیا ہے بائرن نے ڈان جون میں اپنی ملکی تہذیب کا جن الفاظ میں خاکہ کھینچا ہے وہ اردو شاعری کے فحش سے کم نہیں ہے۔ ملٹن اور شکسپیر

وغیرہ نے بھی موقعہ پر کمی نہیں کی ہے۔ مقابلتاً یہ کہنا پڑتا ہے کہ اردو شاعر وجدانیات اور جذبات انسانی کے بیان کرنے میں بمقابلہ انگریزی شاعروں اور انگریزی ناظموں کے بہت ہی محتاط رہے ہیں۔ انگریزی شاعروں یا انگریزی کا شاعری کا فحش تیغ برہنہ ہے اور اردو فحش پر بھی ایک پردہ میں محسوس ہوتا ہے۔

قبل اسکے کہ ہم اردو شاعری کے استعاروں اور تشبیہات پر نکتہ چینی کریں۔ ضروری ہے کہ انگریزی نداق اور انگریزی نداق سے کما حقہ واقفیت پیدا کریں بلا تحقیقات اردو شاعری پر اعتراض جانا اور جی ہتلانا کچھ اور بات ہے۔ کم سے کم اتنا تو کریں کہ انگریزی شاعری کی برائیاں جسطرح نوق النظر کردی جاتی ہیں۔ اسی طرح اردو شاعری یا ایشیائی شاعری کی اچھائیاں اور خوبیاں بھی نکتہ چینی کے وقت مدنظر رہیں۔ نئی جماعت کے خیالات اور تنقید اردو شاعری کے ہم مخالف نہیں ہیں۔ ہم خوش ہیں کہ اس جماعت کا خیال اوہر پلٹا ہے۔ مگر یہ ضرور کہا جاویگا کہ بیرحمی اور تقلید عامیانہ سے نکتہ چینی کیجاتی ہے۔ اُن محنتوں اور کوششوں اسلاف پر بے انصافی سے خاک نہ ڈالی جاوے۔ جن کی بدولت اردو شاعری اور اردو ادبیات میں ایک قیمتی ذخیرہ مہیا ہے۔ اپنے ہی منہ سے اپنی تذلیل نکریں اور آپ ہی کافر نعمت نہوں۔ جسقدر اردو شاعری بدنام کیجاتی اور جسقدر اسپر لے دے ہورہی ہے۔

درحقیقت وہ ایک مبالغہ ہے۔ اور اسمیں سچائی نسبتاً کم ہے۔

معترض کم سے کم اتنا تو کریں کہ اردو شاعری کے چند مستند دیوانوں کا ایک انتخاب تو کیا جاوے - پھر دیکھیں کہ اسمیں کیا کچھ نقص باقی رہجاتا ہے -

ہمیں یاد پڑتا ہے کہ لکھنؤ کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان مسٹر امیر احمد صاحب علوی - بی - اے نے ۱۹۰۳ء میں ایک مضمون اردو شاعری کی متعلق رسالہ اردوے معلے علیگڈہ میں لکھا تھا - اسمیں مولف نے اردو شاعری کا انگریزی شاعری سے مقابلہ کیا تھا - یہ مضمون جو ایک جداگانہ رسالہ کی صورت میں بھی چھپ چکا ہے اس بحث پر بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے - اور ایک اچھے پیرایہ میں لکھا گیا ہے - اسکے دیکھنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ انگریزی شاعری اردو شاعری سے کسطرح اور کن کن مضامین میں ارفع اور بہتر ہے اور ایک کو دوسرے سے کیا نسبت ہے -

جہاں اردو شاعری کی ترقی کے واسطے اور اصلاحوں کی ضرورت ہے یہ بھی ضرورت ہے کہ ہماری موجودہ شاعری میں جن جن اقسام شعری پر مشق کیجاتی ہے اُن میں بھی کچھ نہ کچھ ترمیم کیجاوے - غزل گوئی کا تقریبًا بہت رواج ہے جس میں عشق و الفت کی عمومًا بھرتی ہوتی ہے - اگر بجاے موجودہ طرز غزل کے رباعیات یا کوئی دیگر موزوں طریق اختیار کیا جاے تو زیادہ تر مناسب ہے - میں غزل گوئی کا اسقدر مخالف نہیں ہوں کہ وہ اڑا ہی دیجاے

ف ہماری راے میں محبت و عشق آمیز مضامین کا تہذیب کے دائرہ میں رہ کر لکھنا برا نہیں ہے -

انجیل شریف میں لکھا ہے "خدا محبت ہے -"

ایک حکیم کہتا ہے جس میں سوز و الفت نہیں وہ انسان لازمۂ انسانیت سے بے بہرہ ہے -

مگر اسکے ضرور مخالف ہوں کہ اسکے لیے بس طاہر اعلیٰ مضامین کی گردن پر بہی چہری نہ پہیری جاوے۔

سوز اور درد میں اردو شاعروں نے بہت کچہہ کہا ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ نیچرل رے میں کسیقدر کم کہا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ اس کوچہ سے محض ناآشنا ہوں۔ مراثی اسبات کا ثبوت ہیں کہ ہماری اردو شاعری میں یہ طاقت ہی کہانتک ہے۔ یہ قول مسٹر امیر احمد صاحب بی۔ اے لکھنوی یورپ کے شعرا ایپک کے لئے جو لوازم ضروری سمجہتے ہیں۔ وہ باستثناے ایک کے ہمارے دردناک مراثی میں بدرجہ اولے موجود ہیں مراثی میں جس خوبی اور جس وضاحت سے دردناک سین دکہایا جاتا ہے الحق وہ انیس دبیر کاہی حصہ ہے۔ میں نہیں جانتا کون یوروپین شاعران دو فخر قوم کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ ایک ہی رنگ اور ایک ہی شعبہ میں نہیں بلکہ ہر رنگ اور ہر شعبہ میں دبیر۔ انیس۔ مونس نے قیامت برپا کردی ہے۔

ایک مصرعہ اور ایک بند میں جو درد اور جو سوز ہے۔ وہ دوسرے میں جاکر اور بہی غضب ڈہاتا ہے ہر بند اور ہر شعر سے دل و دماغ پر ایک فوری چوٹ لگتی۔ اور فوری اثر ہوتا ہے۔ دلوں پر ایک زد پڑتی ہے۔ اور دماغوں میں سوز کا دہواں اٹہتا ہے۔ گو واقعہ ہی بذاتہٖ پُردرد اور پرسوز ہے۔ لیکن طرز بیان ہی غضب کا پُر درد اور پرسوز ہے۔ کیا کوئی انگریزی بند یا انگریزی مرثیہ ان مراثی امام امت اور سید الشہدا کے

بقیہ حاشیہ کتب عشق اور محبت کے مضامین بڑا اثر پیدا کرتے ہیں۔ جب عشق اور الفت کا اظہار بہ طرز نفی

ایک مولوی صاحب سے کسی نے مذاقیہ پوچھا تھا کہ آپ شعر کیوں نہیں کہتے حالانکہ آپ سمجھتے بہت اچھا ہیں۔ آپنے فرمایا:۔

"میں سمجھ تو اچھا لیتا ہوں لیکن کہنا نہیں چاہتا اور یہ اسواسطے کہ میں درحصل اچھا کہہ ہی نہیں سکتا۔"

ایک حکیم سے ایک دفعہ کسی نے دریافت کیا۔ حضرت آپ کی رائے شعر کی نسبت کیا ہے۔

"فرمایا۔ شعر اور شاعری بہت اچھا مشغلہ ہے۔ لیکن شاعروں کے واسطے نہ کہ میرے لئے۔ بیشک شعر کا کہنا بھی حکمت میں داخل ہے لیکن میں اس حکمت سے محروم ہوں۔"

یہ اُن بزرگوں کے قول ہیں جو شہیر زماں تھے۔ موجودہ زمانہ میں جسطرح خانصاحب رائے صاحب کا جملہ زیب اسمار رہتا ہے اور عنوان اعزاز سمجھا جاتا ہے اسیطرح کسی نہ کسی چھوٹے بڑے تخلص کا ہونا بھی لازمی ہو۔ یہ منشار نہیں کہ جو شخص شعر سے کچھ نسبت رکھتا ہے وہ بھی یہ نقل نہ کرے۔ منشا یہ ہے کہ جنہیں اس فن سے نسبت ہی نہیں وہ کیوں یہ تکلیف گوارا کرتے ہیں اور اگر سر کھپا کھپا سال دو سال بعد چند ٹوٹے پھوٹے شعر کہہ بھی لئے تو کون سی قیامت آگئی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ خاموش ہی رہتے اور کسی اور فن میں گوے سبقت لیجاتے۔

آے ہماری ہونہار! اُردو زبان تو جو سنسکرت۔ بھاشا۔ عربی۔ فارسی کی نام لیوا ہے اور ان سب مادران مہربان کا تو نے دودھ پیا ہے۔ ہماری لگا ہوں

ہماری زندگی میں پورے نشو ونما کی مالک بن۔ بڑھ اور پھول توصدمات سے محفوظ رہکر لگاتار ترقی کرتی جا۔ تیری ترقی۔ تیرا نشو ونما خود ہماری ترقی اور ہمارا نشو ونما ہے۔ کوئی قوم اسوقت تک ممتاز نہیں ہوتی جبتک کہ اسکی زبان ممتاز نہو۔

شاعری بھی ایک زبان کے خاص امتیازات سے ہے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے چھوڑ دیں۔ فقط

باب ... سیر

مقابلہ میں پُر درد اور پرسوز ہے۔

غالبًا کوئی نہیں۔ بمصداق مرثیۃ الامام امام المراثی

المدعا

اردو شاعری سے محض اسوجہ سے نفرت کرنا کہ وہ اردو زبان میں ہے ایک بزدلانہ خیال ہے۔ اور اسوجہ سے اُسے ناپسند کرنا کہ اس میں یورپین شاعری کے بعض اصناف نہیں پائے جاتے۔ یا اسکے موجودہ اصناف میں کسی ترمیم یا کسی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اُردو زبان کی کمر توڑنا ہے۔ اگر کوئی صنف شاعری اسمیں موجود نہیں یا وہ اصلاح طلب ہے۔ تو ہمت کر کے اسے پیدا کرو۔ نہ یہ کہ اردو شاعری ہی ترک کردیجاے۔ " بقول حضرت علوی شاعری کے سیٹج پر قدم رکھو۔ اور اردو نظم کی ترقی کے لئے کوئی عملی کارروائی کر کے دکھاؤ۔ "

اگر نری نکتہ چینی پر ہی بس اور خاتمہ ہے تو ہمیں پورانے خستہ درماندہ شاعری ہی کی خیر سُنانے دو ہم اس حمیتی ترقی سے باز رہے۔ ہمارے اسلاف اور بزرگان ملت نے جو محنت اور جو جانکاہی کی تھی اسکی خیر نہیں نظر آتی۔ تو مزید اصلاح کیونکر عمل میں آوے۔

بقیہ حاشیہ۔ اور بُرے ڈھنگ سے کیا جاوے۔ عشق و الفت صرف عاشقوں اور معشوقوں کا ہی حصہ نہیں۔ ماں بیٹے بھائی بہنیں اور باپ لڑکے یا دوستوں میں بھی اسکی انتہا نہیں رہی۔ قدرتی مشاہدوں اور قدرتی مناظر سے بھی انتہا درجہ کا عشق اور تعلق ہو سکتا ہے۔ اور اسکے اظہار میں انسان بہت کچھ بیان کر سکتا ہے اور اُس سے کسی بڑے نتیجہ کے پیدا ہونیکی اُمید نہیں کیجا سکتی۔ ۱۲

یہ بھی یاد رکھو کہ ہر طبیعت اور ہر دل و دماغ شاعری کے مناسب حال نہیں اسکے واسطے وہی دل اور وُہی دماغ مناسب ہیں جو قدرتاً موزوں ہیں۔ اسواسطے محض دفتر شاعری میں نام لکھانے کی نیت اور آرزو سے شعری خبط میں مخبوط الحواس رہنا عقلمندی اور ذاتی مذاق کے منافی ہے ایسی ہی طبیعتیں شاعری کی تخریب اور بدنامی کا ابتدائی موجب ہیں۔ اگر عام طبیعتیں جنہیں قدرتاً فی الواقعہ شاعری سے چنداں نسبت نہیں۔ کسی اور موزوں فن پر توجہ کریں۔ تو وہ بمقابلہ اسکے بہت کچھ شہرت اور نام حاصل کر سکتی ہیں۔ کاش بجائے کوڑیوں کے ملک میں چند ہی شاعر ہوں۔ لیکن ایسے کہ جن کی شاعری ملک و قوم کے واسطے فخر اور ادبیات کے لئے موجب احترام ہو۔

محض تخلص کر لینے سے کوئی شخص شاعر نہیں بن سکتا۔ ہاں شاید کم ذہین ناظم ہو جائے سو یہ دوسری بات ہے جسطرح لوگ بابو اور مولوی کہلانے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اسیطرح اکثر لوگ محض کسی تخلص کر لینے سے ہی زمرۂ شعرا میں فخر سے داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔

"بعض اشخاص بوجہ موزونیت طبع کے بھی شاعر ہو سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس میں خواہ مخواہ کی شمولیت کا خوف ہے۔ اسواسطے فن عروض اور فن قوافی سے واقفیت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس طرح بہت سی طبیعتیں اس ارادہ سے اکتا جائینگی اور وہی لوگ اس کوچہ میں جاوینگے جو فی الواقعی اسکے گاہک اور مشتاق ہونگے۔"

مطبع احمدی علی گڈہ

اس مطبع میں سادہ اور رنگین کام حسن خوبی اور صفائی اور لطافت و نفاست کیساتھ چھاپے جاتے ہیں اس سے ہماری قوم کے مصنفوں و مولفوں اور مترجموں کا گروہ کثیر بخوبی واقف ہوچکا ہے نواب محسن الملک بہادر مرحوم و مغفور- نواب وقار الملک بہادر- مولنا مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب- نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب- صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب شمس العلما مولنا شبلی نعمانی- شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی- اور دیگر بزرگان قوم نے ہماری ناچیز خدمات کی قدر دانی فرماکر ہماری حوصلہ افزائی کی ہی- نرخ نہایت معتدل معاملہ بالکل صاف اور تصحیح کا انتظام معقول ہی- اور ہر ایک کام حتی الوسع وقت پر تیار کرا دیا جاتا ہے-

خاکسار

رشید احمد- مالک مطبع احمدی علی گڈہ